راستی موجب رضائے خداست   کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست

(سعدی)

آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے
نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو

"حدیث شریف"

ابوذر غفاری

مصنفہ

استاد عبداللہ علائی

مترجم فارسی

نویسندہ جنایات تاریخی

مترجم اردو

سید عباس حسین

انتساب

جب میں نے ترجمہ "تشریح و محاکمہ در تاریخ آلِ محمد" شائع کیا تو۔ ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ میں صورت آشنا ضرور تھا لیکن ان کے نام سے واقف تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ یہ کس خاندان سے ہیں۔ انھوں فرمایا کہ میں نے فلاں صاحب سے آپ کی کتاب لے کر ۶۰ ۔ ۷۰ صفحات پڑھے تھے کہ انھوں نے کتاب لے لی۔ "ساتھ ہی کتاب کی قیمت سوا روپیہ جیب سے نکال کر کہا" ایک کتاب دیجئے۔" ان کی ظاہری حالت دیکھ کر مجھے شرم آئی کہ میں ان سے قیمت کیسے لوں بہرحال قیمت لے کر میں نے کتاب تو دیدی۔ ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ خدا فرماتا ہے :

"واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا" لہٰذا مجھے اس سے بہتر بدلہ دینا چاہیئے۔ اس وقت اس کتاب "ابوذر" کا ترجمہ میرے پیش نظر تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اس سے بہتر عوض ہو نہیں سکتا کہ میں اس کتاب کو ان کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کر دوں۔ چنانچہ میں نے نام نسب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جنو میاں صاحب مرحوم مغفور کے چچازاد بھائی میرزا احمد علی ابن مرحوم میرزا آقا سید علی صاحب ہیں۔ جو نظامت کوتوالی اضلاع میں اہلکار تھے اور اب وظیفہ پاتے ہیں۔

ممکن تھا کہ میں اس مقام پر یہ تحریر ختم کر دوں۔ لیکن جنو میاں صاحب

مرحوم کا نام آنے کے بعد دل بے چین ہو گیا اور ان مرحوم کی صورت نظروں میں پھر گئی۔

عبدالصمد صاحب قندھاری منطق، فلسفہ، حکمت، ریاضی، اور ہیئت میں اپنی آپ نظیر تھے۔ وہ خود فرماتے تھے کہ "جب میں حیدرآباد آیا ہوں تو میری عمر ۶۰ سال کی تھی۔ جب حیدرآباد آئے تو ابتداءً محلہ دارالشفا میں مرزا حیدر بیگ کے مکان میں قیام رہا (جہاں اس وقت عبادت خانہ کا صحن ہے) کچھ مدت کے بعد محلہ جلال کوچہ میں منتقل ہوئے۔ آخر تک وہیں رہے اور وہیں انتقال ہوا۔

مرزا حیدر بیگ صاحب کے تین فرزند تھے۔ مرزا غلام مصطفےٰ بیگ، ناظم جمعیت۔ مرزا غلام حسین بیگ ڈاکٹر نظم جمعیت۔ میرزا عبداللہ بیگ سوم تعلقدار۔ عبدالصمد صاحب مرحوم کبھی کبھی ان حضرات سے ملنے کے لئے آتے تو میرے ہی گھر پر سے گذرتے تھے۔ میری بہت کم سنی کا زمانہ تھا۔ یاد ہے میں نے دیکھا کہ میرے والد باہر سے گھر میں آکر اپنے ہاتھ سے قالین لے گئے اور دیوان خانہ میں بچھا کر منتظر کھڑے رہے۔ جب عبدالصمد صاحب واپس ہوئے تو دیوان خانہ میں بٹھا کر بہت ہی مؤدب بیٹھے رہے۔ یہ ایک خواب تھا جو میں نے دیکھا۔ والد کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ ہمارے والد کے استاد عبدالصمد تھے"۔

مجھے یاد تھا کہ جو لوگ اس وقت اُن کے ہمراہ تھے ان میں ایک پٹھان (روہیلے) بغل میں لکڑی لئے آئے تھے۔ ایک روز اُن سے عبدالصمد صاحب کا حال دریافت کیا تو کہا "ان کا انتقال ہوگیا"۔ ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ وہ زندہ ہیں تین پانچ مجھے ان کے دولت خانہ (جلال کوچہ) پر پہنچا۔ باہر ہی تشریف رکھتے تھے۔ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا "کون ہو بابا" میں نے عرض کی کہ میر [illegible] کا بیٹا ہوں۔ دونوں ہاتھ بڑھا کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ بابا تو کہ مجھ سے ملتے ہی نہیں۔ تم کتنے بھائی ہو اور کیا کر رہے ہو۔ اب میرا نسیان بڑھ گیا ہے تم اپنے بھائیوں کے نام لکھ دو۔ میں نے اسی وقت پنسل سے سلسلہ وار سید اشفاق حسین۔ سید عباس حسین۔ میر محمد علی۔ لکھ کر گذران دیا۔ تقریباً چھ بجے کا وقت تھا اور جہاں بیٹھے تھے کچھ تاریکی بھی تھی۔ بغیر عینک کے انھوں نے کاغذ دیکھ کر فرمایا "تینوں باقی کا نام باپ کے نام پر رکھا" چالیس سال سے زیادہ حیدرآباد میں رہ گیا مگر وہ صاف بولنا نہ آیا۔

جب میں رخصت ہوا تو مجھے چھوڑنے کے لئے آنے لگے۔ میں نے عرض کی "یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ میں آپ کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہوں آپ تشریف رکھیں" فرمایا "تو نہیں جانتا۔ تو سید ہے میں تیری سیادت کا احترام کرتا ہوں"

اب میری آمد و رفت جاری رہی۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ مرحوم آغا محمد علی صاحب داغ کو قصیدہ پڑھ رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے۔ بابا اس کا

استاد اُستو میاں میرا شاگرد تھا۔ مجھے وصیت کی تھی کہ میں اس کو پڑھاؤں۔ اس لئے میں اس کو پڑھاتا ہوں"۔ یہ تھا (۱۰۷) سال کی عمر تھی حافظہ یعنی چند روز قبل جو مجھ سے نسیان کی شکایت فرمائی تھی اور یہی مضمون بیان کی فرمایا تھا "اب میں کسی کو نہیں پڑھاتا"۔ ایسے وقت میں جب کہ پڑھا رہے تھے وہ بات یاد آ گئی اور فوراً وجہ بیان فرما دی۔

ایک روز میں نے عرض کی کہ "اپنی تصویر مرحمت فرمائیے۔ جواب میں ارشاد ہوا "میری تصویر نہیں ہے۔ میں ایک روز مولا کے پہاڑ پر جسو میاں کو پڑھا رہا تھا۔ چند انگریز سیاح آئے۔ تھوڑی دیر تک مجھے دیکھتے رہے مجھ سے خواہش کی کہ میں اچھی طرح بیٹھ جاؤں (اس زمانہ میں فوری تصویر لینے کے کیمرے نہ تھے اگر ذرا سی بھی حرکت ہو تو تصویر بالکل بگڑ جاتی تھی) میں نے کہا کیوں میری تصویر لینا چاہتے ہو؟" انھوں نے کہا "ہم آپ کو بغور دیکھ رہے تھے۔ آپ کا حلیہ حکمائے یونان سے بہت ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ بہت بڑے عالم ہیں اس لئے ہم آپ کی تصویر لینا چاہتے ہیں"۔ میں نے کہا کافران جاؤ میں تم کو تصویر نہ دوں گا۔"
میں نے عرض کی مجھے تصویر لینے کی اجازت مرحمت ہو" فرمایا "اچھا"

کئی روز کے بعد حاضر ہوا۔ تصویر لینے کی اجازت چاہی تو پھر اسی طرح ٹال گئے۔ میں نے عرض کی کہ اگر میں چاہوں تو اس طرح آپ کی تصویر لے لوں کہ آپ کو خبر بھی نہ ہو" فرمایا "اگر تو میرے بغیر اجازت کے میری تصویر لے گا تو میں بہت ناراض

ہونگا"۔ میں نے عرض کی میری کیا مجال ہے"۔ اس دن سے پھر کبھی مجھے چھوڑنے کے لئے دروازے کے باہر تک تشریف نہیں لائے۔ وہ خوب سمجھ گئے کہ اندھیرے میں تصویر نہیں آسکتی لہذا ایسا موقع ہی نہ دو۔

مولانا کے تین فرزند (۱) احمد علی خاں (۲) محمود علی خاں (۳) محمد علی خاں۔

بڑے فرزند کو اس قابل بنا دیا تھا کہ اگلے اپنا قائم مقام سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا کی حیات ہی میں انھوں نے قضا کی۔ منجھلے صاحبزادے کے ایک فرزند (اسد علی خاں) تھے محمود علی خاں (منجھلے فرزند) کو خاطر خواہ تعلیم دی۔ ہنوز فارغ ہونے نہ پائے تھے کہ ایک روز تدریس کے موقع پر کچھ سخت سست کہا۔ ان کو اس قدر ناگوار ہوا کہ پھر باپ کے سامنے کتاب ہی نہ کھولی علاوہ ان تین صاحبزادوں کے ایک صاحبزادی بھی تھیں جن کی شادی ہو چکی تھی اور ان سے ایک لڑکا تھا۔ مختصر یہ کہ اب کوئی باقی نہیں ہے نہ بیٹوں کی اولاد میں نہ بیٹی کی اولاد میں۔

علم کے قدردان مختار الملک مغفور نے مولانا کے نام ایک سو روپئے علمی بطور منصب کر دئے تھے ان کے بعد لڑکوں پر جاری ہوا جب نسل ہی مٹ گئی تو یہ منصب بھی ختم ہو گیا۔

اسی طرح مولوی چھنو میاں صاحب کے صرف ایک صاحبزادی تھیں اب انکی نسل بھی باقی نہ رہی۔ اور ان کے شاگرد رشید مرحوم آقا محمد علی صاحب شاطر کی یادگار ان کے ایک فرزند جناب آقا محسن صاحب ہیں۔ خدا رکھے۔ بس انھی پر ان کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

مقدمۂ مترجم اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا ونبینا محمد
واھلبیتہ الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔

ناظرین کرام! دنیا میں دو قانون کارفرما ہیں۔
ایک یہ کہ جو مان لیا ہے اس کو ثابت کیے رہیں گے۔
دوسرا یہ کہ جو ثابت ہو گا اس کو مان لیں گے۔
پہلے کا نام تعصب ہے اور دوسرے کا نام تحقیق۔ واقعات کو تابع رکھنا طلب محال ہے اور واقعات کے تابع رہنا انسانی کمال۔ نفس کو کتاب و سنت کے تحت میں لانا سراسر صواب ہے۔ اور قرآن و حدیث کو نفسانی خواہشوں کا آلۂ کار بنانا موجب عذاب۔
صحیح عقیدہ وہ نہیں ہے جس کی سند صرف تسلیم جد و پدر ہو۔ بلکہ صحیح عقیدہ وہ ہے جو مطابق کتاب و خبر ہو۔ خدا و رسول کے خلاف مصلحت اندیشی کھلا ہوا ارتداد ہے اور نفس کے خلاف خدا اور رسول کا ساتھ دینا جہاد۔
برادران اسلام! جس قدر علم کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اسی قدر خیالات میں تغیر و ترقی ہوتی ہے۔ جتنے مختلف علوم اور متضاد خیالات پر عبور ہوتا ہے اسی قدر تعصب کا فور ہوتا ہے۔ جس قدر اثبات و نفی کے مضامین نظر سے گزرتے ہیں محاکمہ

کی قوت بڑھتی ہے۔ جس قدر مطالعہ کی کثرت ہوتی ہے آزادیٔ رائے میں وسعت
ہوتی ہے۔ جس قدر بحث و مباحثہ دیکھتا سنتا ہے (بشرطیکہ خود ایک فریق نہ ہو) صحیح
فیصلے کے قریب پہنچتا جاتا ہے۔ ہر اگلے قدم میں پچھلے قدم کی غلطی معلوم ہونے کا
امکان ہے۔ ہر چلنے والے کو منزل مقصود پر پہنچنا آسان ہے جو کھٹکھٹائے گا
اسی کے لئے دروازہ کھولا جائے گا اور جو مخلصانہ تلاش کرے گا وہی گوہر
مراد پائے گا آدمی مدتوں میں انسان بنتا ہے اور عالم عرصۂ دراز میں صاحب
عرفان۔ دین سے بے پروا آبائی تقلید کے چکر میں رہتے ہیں اور دنیا کو مسافر خانہ
جاننے والے خاندانی عقائد کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ شقی پتھر کو خدا جانتے ہیں
اور پتھر کی طرح شرک پر اڑے رہتے ہیں اور سعید بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتے ہیں
الٰہی باطل سے بچا اور صراط مستقیم دکھا احمق کا خیال بلا تحقیق جما رہتا ہے اور عاقل
تحقیق کے ساتھ جگہ بدلتا رہتا ہے یہی سبب ہے کہ علماء کے بعض تصانیف یا بعض علماء
کے تصانیف میں متضاد مضامین پائے جاتے ہیں۔ ہذا ربی ہذا اکبر کہنا ستارہ پرستوں
کا قدیمی شیوہ ہے مگر "لا احب الآفلین" کہہ لینا بھی سنت ابراہیمی ہے۔ لیکن اگر
انسان اپنے خلاف سننا نہ چاہے اور نہ دیکھنا تو لذت تحقیق سے ہمیشہ محروم رہے گا
اور حق نامعلوم۔ اسی کا نام تعصب ہے اور اسی کا نام اندھی تقلید ہے جس کی مذمت
قرآن و حدیث میں جابجا مرقوم ہے۔

عن واثلۃ ابن الاسقع قال قلت | واثلہ ابن اسقع سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ

یارسول اللہ ما العصبیۃ قال أن تعین قومک علی الظلم (سنن ابی داود)	میں نے عرض کی یا رسول اللہ تعصب کے کہتے ہیں فرمایا کہ تو اپنی قوم کی مدد ظلم پہ کرے۔

(ظلم کی تعریف ہے "وضع الشیء فی غیر محلہ"
قانون اسلامی کی رو سے یہ جرم کی تعریف ہے اب سزائے جرم بھی سنئے۔

عن جبیر ابن مطعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم قال لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل علی عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ (سنن ابی داود)	جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے جس نے تعصب کی طرف لوگوں کو بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جس نے جنگ کی تعصب کے سبب وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو تعصب پر مرا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس علم و اطلاع کے بعد کونسا مسلمان ہوگا جو تعصب سے انتہائی جرم کا ارتکاب کرے اور اوس کی سزا "لیس منا" (رسول سے بے تعلقی) یا جہنم قبول کرے گا۔ تعصب کی برائی سے کم و بیش واقف تو سبھی ہیں لیکن ہر فرقہ دوسرے میں جس عیب کو تعصب بتاتا ہے اپنے فرقہ میں اس کو "البغض للہ" اور تصلب فی الدین اور غیرت مذہبی کہتا ہے اور اس کو بزرگوں کا راستہ بتاتا ہے جس کا چھوڑنا بہت برا اور از حد گمراہی سمجھے ہوئے ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر بزرگوں کی تقلید ہی میں حق محصور ہے تو تمام انبیاء پر ان کے زمانہ میں ایمان لانے والے سب سے زیادہ غلط کار اور

بائی تقلید سے انحراف کے مجرم اور سزا کے مستحق ہوں۔ حالانکہ انہی کو ہم "انصار اللہ"
واریان کرام۔ صحابہ عظام۔ قرن اول والے مومن کہتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم صحیح ہو تو
ہم کو دوسرا یہ غلط پہلو صحیح تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام کفار بھی برسر حق ہیں کیونکہ وہ
بھی اپنے بزرگوں کی لکیر کے فقیر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلط راستے کو چھوڑ کر سیدھے
راستے پر آنا۔ چھکڑا ترک کر کے موٹر اور ہوائی جہاز میں سفر کرنا کسی معنی میں غلطی
نہیں ہے۔ سچ پوچھئے تو ہم مسلمانوں کو نہ زید سے غرض ہے اور نہ بکر سے بلکہ
خدا و رسول کے احکام سے مطلب ہے جو کچھ ان کے ارشاد سے ثابت ہوا مان لیا۔
آباؤ اجداد کی تقلید پر ایمان کا انحصار ہوتا تو قرآن مجید میں اس کی مذمت نہ آتی۔
ملاحظہ ہوں آیات: سورہ "زخرف" آیۃ "۲۰" سورہ "بقرہ" آیۃ
"۱۶۷" سورہ "لقمان" آیۃ "۲۰" سورہ "مائدہ" آیۃ "۱۰۳"
ان آیات میں سوال کرنے والے انبیاء۔ جواب دینے والے کفار اور ان کا تذکرہ کر کے
ملامت کرنے والا خدا ہے۔ افسوس کل جو جواب کافر دیتے تھے آج وہی جواب
مسلمان دے رہے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ آبائی غلطی بتا کر سیدھا راستہ بتانے والا
ایک طرح انبیاء کی نیابت کی جھلک لئے ہوئے ہے اور قرآن و حدیث کے خلاف
آبائی غلطی پر اڑنے والے کفار کی قائم مقامی کا ٹھپہ لگے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ
سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ فقہی مسائل پر دین کا دارومدار ہے
اور قرآن و حدیث محض بیکار۔

خدائے علیم وخبیر وحکیم ارشاد فرماتا ہے "ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" (ترجمہ) ہم نے جن وانس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ بعضوں نے "لیعبدون" کے معنی "لیعرفون" کئے اور یہ صحیح ہے اسلئے کہ عبادت بغیر معرفت کے توہم پرستی ہے۔ اور خدا نے انسان کو اس لئے جوہر عقل سے سرفراز فرمایا کہ اسی کے ذریعہ سے وہ اپنے خالق ورزاق کو پہچان کر اُس کی عبادت کرے اور یہی اس کی خلقت کی علت غائی ہے۔

انسان نے دنیا میں قدم رکھتے ہی اسی جوہر عقل کی بدولت ہر شیٔ کی جستجو اور اس کی حقیقت کی تلاش شروع کر دی۔ نہ معلوم کتنے ہزار یا کتنے لاکھ برس گذر گئے کہ یہ کوشش جاری ہے اور جبتک انسان اس دنیا میں ہے اس کی سعی وطلب جاری رہے گی۔ ہم کہہ نہیں سکتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا اور اس کی حد کہاں ختم ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی ترقی کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور یہ سب انسانی عقلی کاوشوں کا نتیجہ ہے باوجود اس کے بعض منصف علمائے سائنس کا قول ہے کہ "ابھی ہم نے اس کائنات کے ایک ذرے کی حقیقت وماہیت معلوم نہیں کی" اگر انسان کی نیت خیر پر ہو تو اس کا صلہ ضرور ملے گا اور اگر شر پر ہو تو ہرگز اس کی سزا سے بچ نہ سکے گا۔ اگر وہ حقیقی معنی میں انسان رہنا چاہتا ہے تو اپنے ہاتھ اور زبان سے اپنے بنی نوع کو نقصان نہ پہنچائے اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے خالق ورزاق کی معرفت وعبادت سے بھی

غافل نہ رہے جو اس کی خلقت کی اصلی غرض و غایت ہے۔ اور یہ منشائے عقل بھی ہے۔ چنانچہ کسی نے حضرت سیرالشرفی العلمین امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے عقل کی تعریف پوچھی تو ارشاد فرمایا" ماعبد بہ الرحمن وا ستحق بہ الجنان" عقل وہی ہے کہ جس کے ذریعے سے بندہ اپنے خالق کو پہچان کر مستحق جنت ہو۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر چیز کی پہچان کے لئے عقل ہی کو ایک معیار تصور کیا ہے اور اسی معیار پر کہ ہم ہر شئی کی برائی اور بھلائی سے واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ علمائے سلام نے اسی لئے علم مناظرہ ایجاد کیا کہ ہم خدا کی دی ہوئی عقل کی روشنی میں آیات قرآنی اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث صحیحہ کا مطالعہ کرکے راہ صواب اختیار کریں اور خدا نے بھی ہم کو اپنے کلام پاک میں اکثر مقامات پر تعقل و تدبر کی ہدایت فرمائی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اندھی تقلید خواہشات نفسانی اور تعصب کی تاریکی میں گم ہو کر اسلام کے متعدد فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنی حقیقت کا مدعی ہے۔ خدا کرے کہ سب حق پر ہوں اور ایک دوسرے پر سب وشتم کرنے سے محفوظ رہیں۔

اہل سنت والجماعت کے تمام فرقوں اور فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ میں یہ مسئلہ ما بہ النزاع بنا ہوا ہے کہ شیعہ خلفائے ثلاثہ کو برا کہتے ہیں اور یہی باہمی منافرت کا باعث ہے۔ لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ اس کے اسباب وعلل دریافت کرکے اس منافرت کو دور کریں۔

امام الہند مولینا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں کہ" ازاں جملہ بنی امیہ"

وال مروان کی ایک سب سے بڑی بدعت اور معصیت و فسق و عدوان بدعت شنیعہ
وہ تھی جس کا انتقاماتہ اتباع برادرانِ شیعہ نے شروع کیا اور افسوس ہے کہ بدبختانہ
شاید آج تک کرتے ہیں اپنے سب سے پہلے سرزمین اسلام جو رحم و محبت اور صلح و اخوت
ہی کی تخم ریزی کے لیے بنی تھی سب و شتم اور لعن و تبرے کا تخم انہوں نے بویا۔ مقدس
مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و طاعت الٰہی و اذکار و اشتغال کے لیے بنائی گئیں
تھیں اپنے اغراض نفسانیہ کا آلہ بنایا سب سے اہل بیت نبوۃ اور حضرت امیر علیہ
السلام پر علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی اور جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں اس فعل شنیع و منکر کو
(نہیں جانتا اس کو کن لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا۔ چنانچہ تکبیر و تسبیح کی
صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے اور تحمید و تقدیس و صلوٰۃ و تسبیح کے بعد آخر میں
حضرت علی علیہ السلام پر لعنت بھیجی جاتی تھی اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو
اس طرح گرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق عظیم و معصیت کبریٰ و
ہتک شریعت الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی" (ملاحظہ ہو
اخبار الہلال نمبر (۲۱) جلد (۲) مورخہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ چہارشنبہ
صفحہ ۳۶۲)

مولینا کی اس تحریر سے ثابت ہے کہ اسلام میں تبرے کی بناء معاویہ
سے ہوئی اور شیعوں سے اس کا ردعمل ظاہر ہوا۔ بہرحال اب اس خصوص میں
بحث و مباحثہ کرنا بے کار ہے خصوصاً اس نازک دور میں جبکہ مسلمانوں کے بارہی

اتحاد کی شدید ضرورت ہے چنانچہ اسی بنا پر میں نے بہلول بہجت قاضی القضاۃ
قسطنطنیہ کی کتاب "تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمد" کا اردو ترجمہ شائع کیا۔
کیونکہ خود مصنف نے جابجا لکھا ہے کہ وہ علمائے اہل سنت سے ہیں اور انہوں نے
مسلمانوں کو آپس میں متحد کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے اور اس کی سند میں اپنے
ہی علماء کے مستند اقوال پیش کئے ہیں لیکن جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا میری
ناقص رائے میں نا ممکن العمل تھا اس لئے میں نے اپنے مقدمہ میں معتبر علمائے اہل سنت
کی مستند کتابوں سے استشہاد کر کے برادران اہل سنت و الجماعت سے خواہش کی کہ معاویہ جیسا شخص
کہ جس نے علی اور اولاد علی علیہم السلام پر علانیہ لعنت کی ہو اور جس کا ثبوت معتبر علمائے اہل
سنت و الجماعت کی مستند کتابوں سے ملتا ہو اگر اس کی تعظیم و توقیر سے باز آجائیں تو مجھے یقین
ہے کہ موجودہ منافرت دور ہو جائیگی اور میری یہ گزارش کسی طرح قابل ملامت نہ تھی خصوصاً
جبکہ تمام مسلمان اہل بیت رسالت کی محبت و مودت کے مدعی ہیں تو جو شخص اہل بیت رسول پر لعنت
کرے یقیناً وہ ہرگز قابل احترام نہ ہوگا لیکن اخبار رہنمائے دکن میں انجمن علمائے دکن کا حسب
ذیل بیان پڑھ کر مجھے بالکل مایوسی ہوگئی بیان (کتاب تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمد کی نسبت یہ قرارداد
منظور کی گئی کہ ایسے نازک زمانہ میں جب کہ ملک کے جملہ طبقوں میں اتفاق و اتحاد کی شدید ضرورت
ہے ترجمہ تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمد کی اشاعت سے جو مولوی بہلول بہجت کی تالیف ہے مترجم نے
ہماری رائے میں قوم کی خدمت کی بجائے بد خدمتی کی ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ مترجم نے اپنے آپ کو
اہل سنت و الجماعت سے منسوب کرتے ہوئے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین کی شان میں وہ سب کچھ دریدہ دہنی کی ہے جو کسی اہل سنت والجماعت سے قطعاً ناممکن ہے۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت اصحاب سے التماس ہے کہ اس کتاب کو اہل سنت والجماعت کی لکھی ہوئی تصور نہ کریں" میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے علمائے اعلام نے اس کتاب کو ملاحظہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ محض سماعی خبر کی بنا پر یہ بیان شائع ہو گیا۔ آج کتاب موجود ہے مجھے کوئی بتا دے کہ میں نے کہاں کس مقام پر اور کس پیرایہ میں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت سے منسوب کیا ہے اور کس صحابی کی شان میں (معاذ اللہ) میں نے دریدہ دہنی کی ہے۔ البتہ میں نے اسی کتاب کے مقدمہ میں ثابت کیا ہے کہ معاویہ نے علی و اولاد علی علیہما السلام پر سب و شتم کیا اگر برادران اہل سنت والجماعت چاہتے ہیں کہ شیعہ و سنی باہم متحد و متفق ہوں تو ایسے شخص کی تعظیم و توقیر نہ کریں۔ اب میں ایک مختصر تمہید کے بعد آگے بڑھتا ہوں تاکہ برادران اہل سنت والجماعت کے معلومات میں مزید اضافہ ہو اور معاویہ کے اسلامی کارناموں پر کافی روشنی پڑے اگر ان واقعات کے بعد بھی میرا معروضہ قبول نہ ہو تو سوائے سکوت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

خاندان بنی امیہ میں پہلے جس نے اسلام قبول کیا (غالباً) ابو سفیان ہے۔ اس اسلام کے متعلق پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ "انہ رجل مستسلم ولا مسلم" یہ وہ شخص ہے کہ جو مسلمان بنایا گیا وہ خود مسلمان نہیں ہوا اس کا ثبوت ملاحظہ ہو۔

جنگ یرموک میں جبکہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا

اور معرکہ کارزار گرم ہوا اس وقت ابوسفیان دور سے دیکھ رہا تھا۔ جب
رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتا تو کہتا "ایۃ بنی الاصفر" یعنی شاباش اے
ملک روم کے بہادرو اور جب مسلمانوں کو ذرا تقویت ہوتی تو ابوسفیان
کی زبان سے حسرت و یاس کے ساتھ بے ساختہ یہ شعر نکل آتا (شعر)

وبنی الاصفر الملوک ملوک الروم لم یبق منہم مذکور

(ترجمہ) ہائے افسوس سلطنت روم کے پرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے
نظر آرہا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ جب مسلمانوں کو کامل
فتح حاصل ہوگئی تو انھوں نے اپنے باپ زبیر سے بیان کیا زبیر نے کہا "قاتلہ اللہ
یابی الا نفاقا او لسنا خیرا لہ من بنی الاصفر" ترجمہ خدا
اس کو قتل کرے کیا ہم اس کے لئے بنی الاصفر سے بہتر نہ تھے (ملاحظہ ہو کتاب
استیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ حافظ ابو عمر ابن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر
القرطبی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔

دوسرا واقعہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان اپنی عمر کے انتہائی
دور میں تھا۔ یہ خبر سن کر حضرت عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ "عرصہ کے بعد اب
یہ خلافت تم تک پہنچی ہے اس کو گیند کی طرح جدھر چاہو گردش دو اور
بنی امیہ کے ذریعہ سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کرو اس لئے کہ جو کچھ ہے
وہ یہی ہے۔ "رہ گیا جنت و دوزخ اس کو تو میں کچھ سمجھتا ہی نہیں"

ملاحظہ ہو کتاب مذکور الصدر) اس کے بعد اُن کے فرزند سعید کا بھی اسلام ملاحظہ فرمالیں۔

عمرو عاص اہل مصر کا ایک وفد لئے ہوئے شام آیا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کو تاکید کردی کہ جب دربار خلافت میں جانا تو معاویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس سے حقارت کے ساتھ مخاطبت کرنا تاکہ تمھاری ہیبت اس کے دل پر قائم ہو جائے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ معاویہ اور عمرو عاص میں کچھ کشیدگی تھی۔ جب اس وفد کی حاضری کی خبر معاویہ کو ملی تو معاویہ نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ یہ لوگ کچھ نہ کچھ بے ادبی ضرور کریں گے اس لئے اپنے دربانوں کو حکم دیا کہ جب اہل وفد دربار میں حاضر ہوں تو اس قدر سختی کرنا کہ ہر شخص یہ محسوس کرے کہ اس کی جان کی خیر نہیں ہے۔ سب سے پہلے مصر کا ایک شخص "ابن الخیاط" نامی داخل دربار ہوا اس نے جو یہ حالت دیکھی تو معاویہ کی جانب دیکھ کر کہا "السلام علیک یا رسول اللہ" بس پھر کیا تھا تمام اہل وفد نے اسی طرح سلام کیا۔ جب واپس ہوئے تو عمرو عاص نے کہا تم پر خدا کی لعنت ہو۔ میں نے تم کو تاکید کی تھی کہ معاویہ کو "امیر المومنین" نہ کہنا اور تم نے اس کو رسول کہدیا" (ملاحظہ ہو تاریخ طبری حالات سنہ ۶۰ ہجری صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷ مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ) یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ نہ معاویہ نے روکا۔ اور نہ شام کے اتنے بڑے دربار میں ایک سچا مسلمان تھا کہ ان کو اس مخاطبت سے روک دیتا

دوسرا واقعہ۔ مطرف ابن مغیرہ ابن شعبہ ناقل ہے کہ میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ دمشق میں امیر معاویہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لئے گیا۔ مغیرہ شاہی مہمان ہوئے۔ روز معاویہ کے دربار میں جاتے اور جب وہاں سے واپس ہوتے تو معاویہ کی عقل و فراست۔ تدبر اور دور اندیشی کی تعریف کرتے۔ ایک وقت رات کو جب واپس ہوئے تو مغموم و محزون سر جھکائے ہوئے بیٹھ گئے۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود دیں گے مگر انھوں نے کچھ نہ کہا اور نہ کھانا کھایا۔ میں نے پوچھا کہ آج آپ کے مغموم ہونے کا کیا سبب ہے۔ کہا۔ ”بیٹا کیا کہوں میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو کفر و ارتداد میں دنیا بھر سے زیادہ ہے“ میں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیا۔ کہا کہ آج تنہائی میں میں نے کہا کہ ”اے امیرالمومنین اب آپکی عمر ہو چکی ہے بہتر ہے کہ آپ عدل احسان کو کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ آپ اپنے رشتہ داروں ”بنی ہاشم“ کی طرف بھی توجہ کیجئے اور ان کے ساتھ صلہ رحم بھی فرمائیے کیونکہ اب ان کے پاس کوئی ایسا سامان نہیں رہا ہے جس سے آپ کو کچھ اندیشہ ہو۔ اسی طرح آپ کا ذکر جمیل اور اجر و ثواب دنیا و آخرت میں باقی رہے گا۔ یہ سن کر معاویہ اچھل پڑے کہا۔ ”ہیہات ہیہات مجھ کو کس ذکر جمیل کی امید ہو سکتی ہے۔ جو باقی رہے۔ قبیلہ تیم کے خلیفہ (ابوبکر) نے سلطنت کی۔ کیسے کیسے کام کئے اور کس طرح عدالت کی پھر کیا ہوا سوائے اس کے کہ جب ان کو موت آئی تو ان کا نام بھی مردہ ہو گیا۔

زیادہ سے زیادہ یہ اثر چھوڑا کہ لوگ کہتے ہیں "حضرت ابوبکرؓ" پھر قبیلہ
عدی کے خلیفہ (عمر) نے سلطنت کی اور دس برس کی عرق ریزی اور جانفشانی
سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ مر گئے اور
ن کا نام بھی مردہ ہو گیا سوائے اس کے کہ لوگ کہیں "حضرت عمرؓ" لیکن یہ ابن
بی کبشہ (یہ وہ نام ہے کہ اسی نام سے کفار قریش پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کرتے تھے) کا
نام روزانہ پانچ وقت اذان میں "اشہد ان محمداً رسول اللہ"
پکار لیا جاتا ہے۔ پھر مجھ کو اپنے کس کارنمایاں کے بقا کی امید ہو اور کونسا نام ہمیشہ
باقی رہ سکتا ہے۔ کچھ نہیں۔ آخری انجام زمین میں دفن ہوتا ہے اور بس
ملاحظہ ہو نصائح کافیہ۔ محمد ابن عقیل حضرمی۔ صفحہ ۹۴)
تیسرا واقعہ:۔ معاویہ کو اشتیاق پیدا ہوا کہ کسی ایسے شخص سے ملے کہ جس کی
عمر بہت طولانی (معمر) ہو۔ معلوم ہوا کہ حضر موت میں ایک شخص امدا بن ابا
امی رہتا ہے جس کی عمر تین سو ساٹھ سال کی ہے۔ جب اس کو دربار میں حاضر
کیا گیا تو معاویہ نے پوچھا "کیا تم نے ہاشم کو دیکھا ہے" کہا "ہاں میں نے
ان کی زیارت کی ہے۔ بہت شاندار بلند و بالا خوبصورت شخص تھے"
معاویہ نے پوچھا "کیا تم نے امیہ کو بھی دیکھا ہے" کہا "ہاں ایک پست قامت
اندھا آدمی تھا جس کے چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی" معاویہ نے
کہا کیا تم نے محمد کو بھی دیکھا ہے" ایک مسلمان سے ان مجہول لفظوں میں

حضرت کا اسم گرامی سن کر متعجبانہ انداز سے اس نے پوچھا "کون محمد"، معاویہ نے
کہا وہی محمد رسول خدا" یہ سن کر اس نے کہا کہ " وائے ہو تم پر تم نے پہلے ہی ان کا نام
اس احترام کے ساتھ کیوں نہ لیا جس کا مستحق ان کو خدا نے بنایا ہے" ملاحظہ ہو
کتاب معمرین ابو حاتم سہل بن عثمان سجستانی البصری المتوفی ۲۵۵ھ ہجری مطبوعہ
مطبع سعادت مصر صفحہ ۸۷۔ جو ۱۳۲۳ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے)

واقعات متذکرہ صدر کے متعلق مجھے اس سے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت
نہیں ہے کہ محولہ کتب ملاحظہ فرما کر خود ہی تصفیہ فرمالیں۔

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن خدا کا کلام اور اس کا اٹل قانون ہے
پیغمبر اکرم صلعم کا ارشاد "حدیث" اور آپ کا عمل سنت ہے اور یہ دونوں (حدیث
وسنت) قرآن کی تفسیر ہیں۔ قانون الہٰی نے کسی کو سزا سے مستثنیٰ نہیں فرمایا چنانچہ
جن انبیاء علیہم السلام سے ترک اولیٰ صادر ہوا خدا نے ان کو مقام امتحان وابتلاء
میں مبتلا کر دیا دراں حالیکہ وہ گناہ نہ تھا۔ پیغمبر اولوالعزم حضرت نوح کا بیٹا
باوجود نبی زادہ ہونے کے جرم کی سزا سے بچ نہ سکا۔ محبت پدری نے
بے ساختہ زبان سے کہلوا دیا " رب ان ابنی من اھلی" اے میرے
پالنے والے میرا بیٹا میری اہل سے ہے۔ ارشاد ہوا " انہ لیس من اھلک
فانہ عمل غیر صالح " یہ ہرگز تمہاری اہل سے نہیں ہے اس لئے کہ اس نے
عمل غیر صالح کیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ اگر نبی زادے سے گناہ صادر ہو تو

خدا اس کو خاندان نبوت سے خارج کر دیتا ہے پیغمبر اکرم ارشاد فرماتے ہیں "خلق الجنۃ لمن اطاعہ ولو کان عبداً حبشیا وخلق النار لمن عصاہ ولو کان سیداً قرشیا" ظاہر ہے کہ سید قرشی پیغمبر اکرمؐ کی آل و اولاد ہی سے ہوگا۔ اگر ان سے بھی گناہ ہو تو سزا سے بچ نہ سکیں گے۔ اور نہ دنیوی سزا سے وہ مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں پڑھا ہے اور مقررین کی زبان سے سنا ہے کہ کسی موقع پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "اگر میری بیٹی فاطمہؑ بھی (معاذ اللہ) چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دونگا۔ تو کیا اصحاب سزائے جرم سے بچ جائیں گے؟

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ نہیں کہ کل اصحاب معصوم ہیں اور ان پر کوئی وجہ طعن کی نہ ہو کیوں کہ بعض ان سے وہ ہیں جن سے شراب پینا ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے اور بار ہا آنحضرت نے ان پر حد و قائم فرمائے ہیں اور حسان بن ثابت و مسطح ابن اثاثہ سے دشنام دہی ثابت ہے جن پر حد جاری ہوئی اور ماعز اسلمی سے زنا صادر ہوئی ہے۔ جس کو رجم کیا گیا۔

یہ پیغمبر اکرمؐ کا زمانہ تھا اور اب خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد معدلت مہد کے چند مختصر واقعات بھی ملاحظہ ہوں گی

انھوں نے بعض جلیل القدر صحابہ کو کس طرح سزائیں دیں۔

پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر مسند آرائے خلافت ہوئے تو تمام عالم اسلام میں تہلکہ مچ گیا۔ کسی نے دعوائے نبوت کیا۔ کسی قبیلہ نے مالگذاری اور کسی نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بہرحال نہایت سخت تشویشناک حالت ہو گئی تھی۔ حضرت ابو بکر نے اس کی روک تھام کے لئے پہلا لشکر اسامہ ابن زید کی قیادت میں روانہ کیا اور دوسری سپاہ خالد ابن ولید کی ماتحتی میں بھیجی۔ اور ان کو تاکید فرما دی کہ "جس قبیلہ سے اذان کی آواز آئے اور وہ نماز گذار ہوں تو ہرگز ان پر تلوار نہ اٹھانا۔" خالد نے اثنائے راہ میں قیام کر کے چند صحابہ کو بغرض تحقیق اسلام روانہ کیا۔ منجملہ ان کے ابو قتادہ اور حضرت عبد اللہ ابن عمر بھی تھے۔ بنی یربوع بھی انہی لوگوں میں تھے جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا جن کے سردار مالک ابن نویرہ تھے۔ یہ وہی مالک ابن نویرہ صحابی رسول ہیں جن کو حضرت نے اس قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کر کے روانہ کرنے پر امین قرار دیا تھا۔ جب خالد ابن ولید اس قبیلہ میں پہنچے تو اہل قبیلہ سب ہتھیار بند اپنے گھروں سے نکل آئے (معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جن میں مالک ابن نویرہ کی بی بی ام تمیم بھی تھیں' بعضوں نے ام جمیل لکھا ہے جو نہایت حسین و جمیل تھیں) گفتگو کے بعد معلوم ہو گیا کہ مسلمان ہیں تو اطمینان کے بعد بنی یربوع نے اپنے ہتھیار رکھوا دیئے۔ جب خالد ابن ولید اور مالک ابن نویرہ میں گفتگو شروع ہوئی تو

مالک نے کہا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر زکوٰۃ نہ دونگا" یہ گفتگو یہاں تک بڑھی کہ خالد نے کہا "میں تجھے قتل کرکے رہوں گا" مالک اور ان کے ساتھیوں نے خالد سے خواہش کی کہ "ہم کو خلیفہ کے پاس بھیجدو وہ ہمارے حق میں جو چاہیں کریں"

جب خالد نے ان کے قتل پر اصرار کیا تو مالک سمجھ گئے اور اپنی بی بی کی طرف دیکھ کر کہا کہ "یہ عورت میرے قتل کا باعث ہوئی" خالد نے ضرار ابن الازور کی طرف اشارہ کیا اور اس نے اپنی تلوار سے مالک کا سر اڑا دیا۔ اور مالک کے اکثر ساتھی بھی تہ تیغ ہو گئے اور ان کے سروں کے چولھے بنا کر ان پر دیگیں رکھی گئیں۔ شائد یہ نکاح کا ولیمہ تھا جو خالد ابن ولید نے مالک کی بی بی سے اسی شب کیا۔ مگر ابو قتادہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر نہ نکاح کی محفل میں شریک ہوئے اور نہ کسی تقریب میں۔ کیونکہ یہی وہ بزرگ تھے کہ جنھوں نے مالک اور ان کے اہل قبیلہ کے اسلام کی گواہی دی۔

مورخ ابو الفدا نے لکھا ہے کہ "خالد نے مال فئی سے مالک کی بی بی کو خرید کر آزاد کیا اور تین طہر کے بعد ان سے نکاح کیا" لیکن یہ اپنے قول میں منفرد ہیں اور مورخین کا اتفاق ہے کہ اسی شب نکاح اور شب خلوت صحیحہ ہوئی اور واقعات بھی اسی کے موید ہیں۔ چنانچہ یہ حالت دیکھ کر ابو قتادہ نے اپنے خدا سے عہد کیا کہ جب تک وہ زندہ ہیں خالد کے ہمراہ

کسی جنگ میں شریک نہ رہیں گے اور مرتے دم اس عہد پر قائم رہے۔ غرض ابوقتادہ نے یہ واقعہ حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے بھی تائید کی۔ یہ سن کر حضرت عمر بہت برافروختہ ہوئے اور حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات بیان کیے عرض کی کہ خالدابن ولید کو سزائے شرعی دی جائے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ "خالد نے تاویل میں غلطی کی" جب حضرت عمر نے بہت اصرار کیا تو خالدابن ولید کو میدان جنگ سے طلب کیا گیا۔ مدینہ پہنچتے ہی خالد نے پہلا کام یہ کیا کہ بارگاہ خلافت کے دربان کو دو دینار اس شرط پر دیئے کہ پہلے ان کو باریابی کا موقع دیا جائے اور جب تک وہ واپس نہ ہوں کسی کو حضوری کا موقع نہ دیا جائے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلی رشوت تھی۔ بہرحال مسجد سے خالدابن ولید اور حضرت عمر دونوں ساتھ ساتھ چلے۔ جب دروازے پر پہنچے تو خالدابن ولید بے تکلف داخل ہو گئے اور دربان نے حضرت عمر کو یہ کہکر روک دیا کہ "ابھی آپ کے لئے میں نے اجازت نہیں لی ہے" اس وقت حضرت عمر کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ "افسوس مالک کا خون رائیگاں ہوا"۔ تھوڑی دیر کے بعد خالد واپس ہوئے اور حضرت عمر کو باریابی کی اجازت ملی ہرچند اصرار کیا کہ خالد کو سزا دیجائے لیکن حضرت ابوبکر نے وہی جواب دیا کہ "تاویل میں غلطی ہوئی ہے"

مالک ابن نویرہ کے بھائی متمم ابن نویرہ نے اپنے بھائی کا خون بہا طلب کیا تو حضرت ابوبکر نے بیت المال مسلمین سے خون بہا دلا دیا اور خالد کو حکم دیا کہ مالک کی بی بی سے ترک تعلق کر دے۔

جب حضرت عمر نے مسند خلافت کو زینت بخشی تو پہلا حکم نامہ ابو عبیدہ جراحؓ کے نام صادر ہوا کہ خالد ابن ولید سے کہو کہ اگر وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرلیں تو اپنی خدمت پر بحال رہ سکتے ہیں ورنہ ان سے خدمت کا جائزہ تم حاصل کر کے اُن کے اموال پر قبضہ کرلو" بہ تعمیل فرمان ابو عبیدہ نے خالد کو یہ حکم سنا دیا۔ خالد نے اپنی بہن ام کلثوم سے مشورہ کیا جو حارث ابن ہشام کی بی بی تھیں۔ ام کلثوم نے کہا کہ "وہ تم کو ہر حال میں سزا دیں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہاری زبان سے اقرار کرا کے تم کو اقبالی مجرم قرار دیں۔ جب کسی حالت میں بھی تمہاری معزولی یقینی ہے تو اپنی زبان سے اقرار کر کے اپنے جرائم پر مہر تصدیق لگا دینا بڑی غلطی ہے"۔ خالد نے اپنی بہن کی پیشانی کا بوسہ لے کر کہا کہ "تمہاری رائے بالکل درست ہے" اور ابو عبیدہ کو خدمت کا جائزہ دیدیا۔

فتنۂ ارتداد کے متعلق طبری کا قول یہ ہے کہ "وارتدت العرب اما خاصۃ او عامۃ من کل قبیلۃ وظھر النفاق" عام خاص ہر قبیلے کے لوگ مرتد ہوگئے تھے اور نفاق پھیل گیا۔ دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ وارتدت کل قبیلۃ عامۃ وخاصۃ الاقریشا

اوثقیقا" سوائے قریش و ثقیف کے سب قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ انہی قبائل میں کندہ جس کے سردار اشعث بن قیس تھے اور حضرموت و یمن کے قبائل بھی تھے۔

قبیلہ کندہ کے مقابلے کے لئے چار ہزار سوار روانہ کئے گئے۔ فتح کے بعد اشعث کو مع اس کے ساتھیوں کے دربار خلافت میں پیش کیا گیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ" اے خلیفہ رسول یہ دین سے پھر گیا ہے اور بہت فساد مچایا تھا۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ " من بدل دینہ فاقتلوہ" جو دین سے پھر جائے اس کو قتل کردو۔ اشعث نے معذرت کی اور کہا کہ اگر حضرت خلیفہ اپنی بہن ام فروہ بنت ابی قحافہ کا عقد مجھ سے کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرتا رہونگا۔ حضرت ابوبکر نے اپنے رحم و کرم سے ان کی رہائی کا حکم دیدیا۔ اشعث اور تمام قیدی چھوٹ گئے اور ام فروہ کا نکاح اشعث ابن قیس سے ہو گیا (ملاخطہ ہو روضۃ الاحباب جلد دوم صفحہ ۲۵ و ۲۶) کاش خالد ابن ولید بھی نبی یربوع کے حسب خواہش ان کو حضرت ابوبکر کی خدمت میں پیش کر دیتے تو یہ الزام ان پر نہ آتا اور ان غریباں کی جانیں بھی بچ جاتیں۔ مگر ام تمیم کے عشق مفرط نے ان کو اس کی اجازت نہ دی۔

۲ - عہد فاروقی کا کیا پوچھنا کہ اس عدل و انصاف کے زمانہ میں کسی کی

خطا معاف نہ ہوئی اور کوئی بغیر سزائے شرعی کے نہ بچا پایا ہے وہ صحابی ہو یا صحابیہ۔ آپ کی فہم و فراست و سیاست مدن کا ایک استادنہ نمونہ یہ ہے کہ جب کسی کو کسی خدمت پر روانہ کرتے تو اس کی جائداد کی فہرست کر لی جاتی اور جب اس کو اس خدمت سے علیحدہ کرتے یا کسی دوسری خدمت پر روانہ کرتے تو اس کے تمام مایملک کا جائزہ لیا جاتا۔ پہلی فہرست سے جس قدر مال زیادہ ہوتا اس سے واپس لے کر بیت المال مسلمین میں داخل کر دیتے۔

جب عمرو عاص کو حکومت مصر پر روانہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کافی دولت جمع کر لی ہے۔ آپ نے محمد ابن مسلمہ کو روانہ کیا اور جس قدر مال زیادہ تھا سب بیت المال میں داخل کرا دیا۔ اسی طرح آپ کو معلوم ہوا کہ بحرین کے حاکم ابوہریرہ نے نو گھوڑے چھ ہزار دینار میں خریدے ہیں۔ ان کو طلب کر کے آپ نے دریافت فرمایا۔ ابوہریرہ کوئی معمولی آدمی تو نہ تھے۔ انہوں نے بہت کچھ باتیں بنائیں اور مال کی واپسی سے انکار کیا تو آپنے درۂ فاروقی ایسی خبر لی کہ ابوہریرہ کے جسم سے خون نکلنے لگا۔ اس کے علاوہ جھوٹی حدیثیں بنانے کی ملکیت میں بھی ان کا جسم درۂ فاروقی سے آشنا ہوا ہے۔

حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد ان کی بہن ام فروہ زوجۂ اشعث ابن قیس نے اپنے بھائی کی صف ماتم بچھائی اور حسب قاعدہ عرب رونے والیوں کو بلوایا۔ حضرت عمر نے منع کیا جب وہ نہ مانیں تو ان کو بھی درہ سے

سزا دی گئی۔

۳۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت کے واقعات اس کتاب سے ظاہر ہیں میں صرف عبداللہ ابن مسعود کے حالات پر ختم کرتا ہوں۔ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رسول اللہ کے جلیل القدر صحابی تھے اور ان کے فضائل تمام کتب تاریخ و سیر میں موجود ہیں۔ خصوصاً قرآن مجید کی تعلیم جس طرح انہوں نے پیغمبر اکرم سے حاصل کی کسی نے نہ کی۔ خود حضرت نے ستر سورے یاد دلائے۔ جبرئیل نے حضرت کو قرآن مجید کے تین دور کرائے بعض اصحاب دو دور میں شریک تھے اور عبداللہ ابن مسعود تینوں دور میں شریک رہے۔ یہ کاتب وحی بھی تھے۔ خود ان کا یہ قول ہے کہ "قرآن مجید کے متعلق اگر کوئی پوچھنا چاہے تو مجھ سے پوچھے۔ میں جانتا ہوں کہ کونسی آیت کس وقت کہاں اور کس مقام پر اور کس کے متعلق نازل ہوئی"۔

جب حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن مجید جمع ہو چکا تو ان سے ان کا جمع کیا ہوا قرآن مجید طلب کیا گیا۔ انہوں نے دینے سے انکار کیا تو حاکم کوفہ کے نام فرمان جاری ہوا کہ ان کو مدینہ روانہ کردو۔ جب عبداللہ ابن مسعود مدینہ پہونچے تو حضرت عثمان منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی فرمایا "حیوان زشت آگیا"۔ اس کے جواب میں عبداللہ نے بھی کچھ سخت الفاظ کہے۔ اور حضرت عثمان کے حکم سے حاضرین نے ان کو اس قدر مارا کہ

اُن کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں (ملاحظہ ہو تاریخ ابن واضح)

واقعات متذکرہ صدر پر غور کرنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوگا کہ کیا خلفائے راشدین معاذاللہ ظالم تھے یا انہوں نے خلاف حکم خدا و رسول یہ سزائیں دیں۔ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اصحاب معصوم نہ تھے۔ ان سے غلطیاں ہوئیں اور انہوں نے سزائے شرعی بھی پائی۔ اگر خطائے اجتہادی کے عذر سے بچ سکتے تو کیا عبداللہ ابن مسعود اور ابوہریرہ جیسے جلیل القدر صحابی اس کی آڑ نہ لیتے

برادران اسلام۔ خدا اپنے مرسلین کے متعلق فرماتا ہے "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" تو کیا اصحاب پیغمبر اکرمؐ کے مدارج نہ ہوں گے اور جب کہ بعض انبیاء علیہم السلام سے ترک اولیٰ ہوا تو کیا اصحاب ختم النبیینؐ ان سے بھی افضل تھے کہ ان سے کوئی گناہ ہی صادر نہ ہوا ہو ہم اس سے کیسے انکار کر سکتے ہیں جب کہ خود ہمارے کتب معتبرہ میں یہ واقعات موجود ہوں۔

ہم نے اس مقدمہ میں جن کتب تاریخ و سیر کا خلاصہ پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) تاریخ ابو الفدا (۲) تاریخ کبیر طبری (۳) تاریخ کامل ابن اثیر (۴) تاریخ ابن واضح (۵) تاریخ روضۃ الصفا (۶) تاریخ روضۃ الاحباب (۷) طبقات ابن سعد (۸) کنز العمال۔

(۹) الامامۃ والسیاست (۱۰) الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ (۱۱) ملل ونحل شہرستانی (۱۲) عقد الفرید۔ اگر میں ہر کتاب کی اصل عبارت یا اس کا پورا ترجمہ پیش کرتا تو یہ کتاب بہت ضخیم ہو جاتی۔ میں نے ان کا خلاصہ پیش کرنے میں جس قدر احتیاط کی ہے وہ کتب مذکورہ کے ملاحظہ سے واضح ہو گا

مجھے مسلمان اور سید ہونے کی حیثیت سے حق ہے کہ میں معاویہ پہ سب شتم کروں اس لئے کہ اہل بیت رسول پر معاویہ کا سب وشتم کرنا اور پیغمبر اکرم کی شان میں گستاخی کرنا ثابت ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں لکھا ہے کہ جو شخص پیغمبر اکرمؐ یا آن حضرت کے اصحاب کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے۔ (کیا علی ابن ابی طالب صحابی رسول بھی نہ تھے)۔ باوجود اس کے میں نے اپنی جانب سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا کہ جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔

اور کتاب تشریح ومحاکمہ در تاریخ آل محمد کا ترجمہ اور اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھنے کی غرض وغایت ہی یہ تھی کہ برادران اہل سنت والجماعت کو وجہ منافرت سے آگاہ کر کے ان سے خواہش کی جائے کہ اگر آپ عظمت وبزرگی کے ساتھ معاویہ کا نام نہ لیں تو یقین ہے کہ ان دونوں فرقوں سے منافرت دور ہو جائے گی اور اسی سلسلہ میں دو قوں ایک دوسرے سے قریب تر ہو جائیں گے۔

مثل مشہور ہے کہ شکر شکر کہنے سے منہ میٹھا نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض زبان
سے اتحاد اتحاد کہہ دینے سے اتحاد نہیں ہوتا۔ میرے ذہن ناقص میں جو
تجویز تھی میں نے پیش کر دی اگر یہ غلط ہے تو غلطی ثابت کرنے کے لئے وقت
ضائع کرنے کے بجائے کوئی عملی تجویز پیش کی جائے تو باوجود اس پیرانہ
سالی کے نہایت تشکر و امتنان کے ساتھ بہ حیثیت ایک خادم کے میں اپنے
حقیر خدمات پیش کرنے کے لئے حاضر ہوں۔

میرے بعض احباب نے مجھ سے شکایت کی کہ "تو نے اپنی کتاب
کے مقدمہ میں نہ بہلول بہجت کا تعارف کرایا اور نہ یہ بتلایا کہ مترجم فارسی
مہدی ادیب کون ہیں" اور اب عبداللہ علائلی مصنف کتاب ابوذر اور اس
کے مترجم فارسی کے متعلق بھی یہی شکایت ہوگی۔ میں حیران ہوں کہ جن سے
میں خود ناواقف ہوں ان کا کیا تعارف کراؤں۔ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا
ہے میں نے اسی کا ترجمہ اردو میں کر دیا۔ اس کے سوائے ان سے واقفیت
حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں ہے۔ بہلول بہجت ۱۳۴۶ھ تک
بقید حیات تھے۔ قسطنطنیہ میں میرا کوئی شناسا نہیں کہ جس کو لکھ کر میں دریافت
کر سکوں۔ اسی طرح عبداللہ علائلی مصر کے رہنے والے ہیں ان کے ۳ - ۴
تصانیف کا نام میں نے پڑھا ہے دیکھا نہیں۔ اس کتاب کے مترجم کے ۴ - ۵ تصانیف و تراجم میں نے
پڑھے اور اس وقت وہ کتابیں بھی میرے پاس ہیں۔ غالباً ان کی پہلی تصنیف جنایات تاریخی

ہے اور اسی تالیف کی وجہ سے ان کی بہت شہرت ہوی۔ بجائے اس کے کہ اپنا نام لکھیں ہر کتاب کے آخر میں "مصنف جمایات تاریخی" لکھا ہے۔

یہ کتاب (ابوذر) عبد اللہ علائلی کی لکھی ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق میں صرف یہی جانتا ہوں جس کا مترجم نے اپنے مقدمہ میں حوالہ دیا ہے کہ "لندن کے مجلہ اسلامی اور بغداد کے الاخبار شمارہ (۲۵۰۳) مورخہ ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۵ھ میں اسی نام سے لکھا گیا ہے۔

اصل کتاب (ابوذر) پر میں کیا تبصرہ کرسکتا ہوں کیوں کہ خود مترجم صاحب نے جو مقدمہ لکھا ہے وہی بہت کافی ہے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ آج تیرہ سو سال قبل خصوصاً عرب میں کمیونزم اور سوشلزم کا نام کیسے آگیا تھا۔ اگر بالفرض اس کا وجود تھا بھی تو ابوذر کے عمل سے نہ کمیونزم ثابت ہو رہا ہے اور نہ سوشلزم۔

جب پیغمبرؐ اکرم نے ابوذرؓ کو آنے والے حوادث کی خبر دی تو ابوذر نے عرض کی "کیا میں مقابلہ کروں" ارشاد ہوا "نہیں بلکہ صبر کرو اور حاکم وقت کے ہر حکم کی تعمیل کرنا چاہئیے وہ غلام حبشی ہی کیوں نہ ہو" ابوذر نے لفظ بلفظ اس ارشاد کی تعمیل کی یہاں تک کہ جب یہ "ربذہ" پہونچے تو وہاں کی مسجد میں ایک غلام حبشی جماعت کی امامت کے لئے کھڑا تھا جو خلیفہ وقت کی طرف سے مامور تھا۔ ان کو دیکھ کر اس نے کنارہ کیا۔ ابوذر نے کہا کہ "تم خلیفہ کی جانب

ہے اس خدمت پر مامور ہو لہذا تم ہی نماز پڑھاؤ اور میں تمھارے پیچھے پڑھوں گا"

ہم کو کسی تاریخ میں نظر نہیں آتا کہ ابوذر نے حکومت وقت کے خلاف جلسے کئے ہوں جلوس نکالے ہوں یا اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو جمع کر کے حکومت سے مقابلہ کی تیاری کی ہو۔

اب رہا سوشلزم کا الزام۔ اگر آیات قرآنی اور احادیث پیغمبر اکرمؐ کی تعمیل کا نام سوشلزم رکھا جائے تو یہ سلسلہ بہت دور پہونچے گا۔ ابوذر تو آیات قرآنی پڑھ کر سرمایہ داروں کو سُنا رہے تھے کہ احتکار و اکتناز کو خدا نے منع فرمایا ہے جن مزدوروں سے کام لیتے ہو اُن کی اجرت برابر ادا کرو۔ تمھارے اور تمھارے اہل و عیال کے ضروری مصارف کے بعد جو کچھ بچ رہے موافق حکم الٰہی و عمل پیغمبر غرباء و فقراء پر تقسیم کرو۔ تیرہ سو سال گذرنے کے بعد آج ابوذر کو کمیونسٹ یا سوشلسٹ کیوں کہا جا رہا ہے۔ اگر قارئین کرام خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے اس پر غور فرمائیں گے تو خود بخود یہ راز منکشف ہو جائے گا۔

مصنف نے بعض مقامات پر شیعوں کے عقائد کے خلاف لکھا ہے اور مترجم فارسی نے ان پر کوئی ایراد نہیں کیا۔ و نیز میں نے

اپنے مقدمہ میں جن مورخین کے اقوال بطور استشہاد کے نقل کئے ہیں ان میں بھی بعض شیعوں کے مسلمات کے خلاف ہیں چونکہ میں نے نقل قول کیا ہے اس لئے مجھے حق نہیں ہے کہ ان پر اعتراض کروں۔ خصوصاً جب کہ میرا اعتراض مناظرہ کی شکل اختیار کرلے گا جس سے میں ہمیشہ دور رہا ہوں اور رہوں گا۔

عرب میں ایک مثل ہے "من صنف استھدف" جس نے تصنیف کی وہ تیر ملامت کا نشان بنا۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس کتاب میں ضرور غلطیاں ہوں گی۔ بجائے اس کہ قارئین کرام سے معافی چاہوں جیسا کہ عام مصنفین کی عادت ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر پڑھنے والا مصنف کی مجبوریوں پر غور کر کے کتاب پڑھتے وقت اپنے فہم و سلیقہ کے موافق اس غلطی کی اس طرح اصلاح کرلے کہ اصل مطلب فوت نہ ہو جائے۔

میں ناظرین سے اس طوالت کی معافی چاہتے ہوئے التماس کرتا ہوں کہ اس مقدمہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے کہیں کسی مقام پر کسی کی شان میں کسی طرح کی گستاخی نہیں کی ہے

اور نہ کروں گا۔ کیونکہ جو شخص دو فریق کو باہم متحد کرنے کی کوشش کرے وہ ہرگز ایسی غلطی نہ کرے گا کہ اُس کی وجہ سے اُس کی سعی و کوشش رائیگاں ہوجائے فقط وما توفیقی الا باللہ توکلت علیہ و الیہ انیب

عبدہ المذنب

سید عباس حسین

چہارشنبہ ۱۴ ماہ مبارک شعبان سنہ ۱۳۰۲ ہجری
اعجاز منزل دارالشفا حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مترجم فارسی کا مقدمہ ابوذر غفاری کے اُن بیجا الزامات کے متعلق کہ "وہ عقل اور دین کے خلاف رائے" دیتے تھے

طبع و نشر کے وسائل نے جسقدر علم و ادب کی خدمت کی اُسی قدر
نقصان بھی پہنچایا۔ اخبار اور مجلہ کے چھاپنے کے لئے چھاپہ خانے، ور اُن کی نشر
و اشاعت کے وسائل وجود میں آنے سے قبل بہترین انشاء اور اعلیٰ مطالب کا
کوئی مضمون لکھا جاتا تھا تو اس کی نقل کے لئے صرف کاغذ قلم۔ اور روشنائی
کی ضرورت ہوتی تھی لیکن ہر شخص کو اس سے استفادہ نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اکثر
ایسے مضامین مخصوص کتب خانوں میں محفوظ رہتے تھے کیونکہ اُس وقت طبع و نشر کے
لئے ایسے آلات تھے اور نہ نشر و اشاعت کے ذرائع۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد کے
علماء اور عقلاء کی تحریروں سے عوام فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اب یہ موانع اُٹھ گئے
اس وقت آپ کوئی علمی یا سیاسی تقریر کسی ریڈیو اسٹیشن سے گھر بیٹھے سن سکتے ہیں
یا کسی مصنف کا مقالہ۔ چاہے وہ دنیا کے کسی گوشہ میں کیوں نہ ہو تھوڑی ہی مدت
میں آپ اخباروں کے کالموں میں پڑھ لیتے ہیں۔ علم و ادب کی یہی وہ خدمت ہے
جو چھاپہ خانے اور تیز رفتار وسائل انجام دے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جو بہت
بڑا نقصان ہو رہا ہے ہم اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ وہ یہ کہ چھاپنے کی مشینیں اور

تیز رفتار وسائل اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں تو اسی کے ساتھ ساتھ مصنفین بھی اپنے تخیلات کو اسی قدر تیز کرنے پر مجبور ہیں۔ لکھنے والا اس فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح اپنا مقالہ اول دقت مطبع میں پہنچا دے۔ خبر نگار چاہتا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے اخبار کے کالم سیاہ کر کے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے۔ یہ اثر تو ہتہ آہستہ ہر جگہ پہنچ رہا ہے۔ مزید برآں روزمرہ کا معمولی کام ایک ذمہ دار شخص کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ جس طرح ہو سکے اس کو پورا کر دے کیونکہ اس کو جوابدہی کی فکر لاحق رہتی ہے نہ کہ حقیقی فرائض کی انجام دہی کی۔

ان وسائل کی پیدائش سے پہلے ایک چند سطری مضمون لکھنے کے لئے کئی ہفتے صرف ہوتے تھے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مطالب نہایت اعلیٰ اور تحریر میں کوئی جملہ قابل اعتراض یا کوئی لفظ غلط دکھائی نہیں دیتا تھا۔

حال ہی میں جمعیت العلماء مصر کی جانب سے ایک بیان اور دو خبریں ابوذر غفاری کے متعلق لندن کے "مجلہ اسلامی" اور عراق کے "الاخبار" روزنامہ میں شائع ہوئی ہیں۔ جب ہم اس کے شائع کرنے والے علماء کے پایۂ علمی پر نظر کرتے ہوئے اس تحریر کو خلاف حقیقت پاتے ہیں تو ہم کو یہی کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ جس طرح ہو سکے جواب دیکر اپنے سروں سے یہ بوجھ ٹال دیں۔ اسی لئے بغیر کسی تحقیق کے معمولی رائے دیکر سبکدوش ہو گئے۔ لیکن یہ خیال نہ کیا کہ انھوں نے جلد جلد لکھ دیا تو کیا پڑھنے والا بھی انھیں کی پیروی کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو ایک ایک لفظ غور و فکر

سے پڑھے گا تو اس وقت اُن کے ان سطحی آرا کا کیا حشر ہوگا۔ کیونکہ اس طرح پڑھنے والے کی نظر میں مصنف کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی بہت سنگین ہو جاتی ہے۔

اب آپ اس خبر کو ملاحظہ فرمائیے جو بغداد کے روزنامہ "الاخبار" شمارہ (۳/۲۵) مورخہ جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ اس سرخی سے شائع ہوئی ہے "مصر کے بڑے علماء اور کتاب سوشیالزم قاہرہ "۸ آزر" "مصر کے بڑے علماء نے کتاب سوشیالزم اور اسلام کی بابت جو حال میں شائع ہوئی ہے یہ رائے دی ہے کہ اس کتاب کے مولف نے ابوذر کی گفتگو سے یہ نتیجہ نکالا کہ انھوں نے ابوذر کے سوشیالزم کو دین اسلام کا مسلمہ قانون سمجھا"

جمعیت العلماء نے لندن کے مجلہ اسلامی میں بھی اپنا یہ بیان شائع کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "کتاب اسلام و سوشیالزم" کے مقررہ اصول اس کی عام دینی تعلیم سے مطابقت نہیں ہوتی جو مولف کتاب کے مدنظر تھے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کا شائع کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا مگر یہ کہ اس کی اشاعت سے اسلامی احکام کو ناقص اور بے خبر و سست ایمان والے مسلمانوں کو گمراہی میں ڈالدیا جائے" یہاں تک مطلب ٹھیک ہے اور اس پر ہم کو کسی اعتراض کا موقع نہیں گو میں نے اس کتاب کے مصنف کو دیکھا نہیں ہے لیکن اگر اس نے یہ بیہودہ دعوی کیا ہے تو چاہئیے کہ اس کا سخت تدارک کیا جائے۔ یہاں سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ واجب الاحترام علمائے

ازہر کا وہ جملہ ہے جو اس بیان کے ختم پر انھوں نے لکھا ہے۔

مجلۂ اسلامی کے مدیر نے لکھا ہے کہ " وزارت مصر نے اس کتاب کو عالم محترم شیخ اعظم جامعۂ ازہر کے پاس بھیج کر اُن سے خواہش کی کہ علمائے ازہر اس کتاب کے بارے میں اپنے آراء ظاہر فرمائیں"۔ شیخ جامعہ نے اس کتاب کو ایک خصوصی جماعت کے حوالہ کیا۔ اُس جماعت نے کافی مطالعہ کے بعد حسب ذیل بیان دیا ہے۔

"ہر شخص کی ملکیت کا احترام کرنا اسلام کا اصولی مسئلہ ہے (صحیح ہے) اور اسلام ہر اُس مسلمان سے امید کرتا ہے کہ جو اپنی خواہش اور رغبت سے اپنی ثروت کا کچھ حصہ عام مصارف میں خرچ کرے (صحیح ہے) لیکن ایسے مصارف میں بھی اسراف کو مدنظر رکھنا چاہیئے (صحیح ہے) اپنے موازنہ کے لئے یہ دونوں اصول (یعنی آئندہ کا تحفظ اور عام مصالح کا خیال) مدنظر رہے۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور اسی طرح انصاف بحال و برقرار رہ سکتا ہے (صحیح ہے) اب یہ تحریر قابل غور ہے " لیکن ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ اُس کے اور اُس کے اہل و عیال کے خرچ سے جس قدر بچ جائے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی راہ میں دیدے ہم نہیں جانتے کہ پیغمبرؐ کے اصحاب میں کسی نے اُن کے اس نظریہ پر عمل کیا ہو لہٰذا ابوذر کا یہ کلیہ علماء و عقلاء اسلام کے نقد و تبصرہ کا محتاج ہے۔ ایسی صورت میں ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ابوذر نے اپنی رائے میں غلطی کی اور جب ہم کو معلوم ہو گیا کہ اُن کا یہ نظریہ خلاف واقع تھا اور احکام اسلام (قرآن و حدیث)

سے اس کی مطابقت نہیں ہوتی تو اُس کی پیروی نہ کرنا چاہیے"۔ ایک بار پھر ان آخری جملوں کو پڑھ کر ذہن نشین کر لیجئے تاکہ ابوذر کا مدعا اور اُس کی حقیقت آپ پر روشن ہو جائے۔ جمعیت علماء نے ابوذر پر جو اتہام لگایا ہے اُس کی معمولی توجیہ یہ ہے کہ محض اخبار کے کالم پورے کرنے کے لئے۔ بغیر سوچے سمجھے ایسا غیر منصفانہ فیصلہ صادر کر دیا لیکن افسوس ہے کہ کہیں یہ تساہل جامعہ کی چند صد سالہ شہرت کو داغدار نہ کر دے۔

مجھے یاد ہے کہ نجف اشرف کی مشہور درسگاہ کے ایک عالم نے فرمایا تھا کہ "امام جماعت کیلئے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھے روزہ رکھے اور فلاں فلاں گناہ نہ کرے تب وہ عادل سمجھا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ وہی پیش نماز عادل ہے۔ جو آدمی کو قتل نہ کرے یعنی اپنے شخصی فائدہ کے لئے دوسرے کو متہم نہ کرے"۔ کیا خدانخواستہ ازہر کے علماء بھی مذہب کے اثر میں آگئے اور اپنے اسلاف کے عمل کو نبھانے کی خاطر ابوذر کو تشیع کے جرم میں قتل کر رہے ہیں اور اِس گناہ پر کہ وہ مردِ بزرگ دوسروں کے مقابلہ میں علی ابن ابی طالب (ع) کو خلافت اور پیغمبر (ص) کی جانشینی کے لائق جانتا تھا۔ بے دینی اور دیوانگی کا داغ اُن پر لگایا جا رہا ہے کیا ابوذر وہی منتخب صحابیٔ رسول نہیں ہیں جن کے حق میں پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا تھا کہ "آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے پرورش نہیں کی جو ابوذر سے بہتر ہو"۔ میں اس کو قبول کرتا ہوں کہ ابوذر دولت مند طبقہ کے مقابلہ کیلئے

کھڑے ہوئے۔ اس کی بھی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ یہ کہتے تھے کہ" اپنے اور اپنے اہل وعیال کے معمولی اخراجات کے بعد جو بچ رہے خدا کی راہ میں دیدو" بے شک ابوذر نے ایسا ہی کیا اور کہا اور آپ بھی اس کتاب میں اُن کا یہی قول جا بجا پڑھیں گے لیکن بہتر ہوتا کہ محترم شیخ جامعہ اور انجمن کے علماء اس پر بھی غور کرتے کہ اس دعوی میں ابوذر کا مدمقابل کون تھا اور اُن کا یہ خطاب کن اشخاص سے ہے۔ کیا ابوذر کے مقابلہ میں تجار یا صناع تھے اور یہ مال کیسا تھا جو ابوذر کے عقیدہ میں خدا کی راہ میں صرف ہونا چاہیئے۔

عثمانؓ یعلی ابن امیہ۔ مروان ابن حکم۔ عبدالرحمٰن ابن عوف طلحہ۔ زبیر عبدالرحمٰن۔ زہری۔ زید ابن ثابت۔ جو ابوذر کے زمانہ میں لکھپتی بن گئے تھے آخر یہ دولت اُن کے یہاں کیسے آگئی۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں اس طرح بسر کر رہے تھے کہ آسمان لحاف اور زمین ان کا بستر تھی اور بعض نونان شبینہ کے لئے محتاج تھے۔ پھر اتنی کم مدت میں اس قدر دولت ان کے پاس کیسے جمع ہوگئی کیا انھوں نے تجارتی کمپنی قائم کی تھی یا دفینہ ملا تھا یا اُن پر آسمان سے سونے چاندی کی بارش ہوئی تھی یا کسی نے اُن کو یہ مال بخشدیا تھا۔ مجھے شبہ ہوگیا۔ ہاں کسی نے یہ دولت اُن کو ضرور بخشی تھی اور وہ عثمانؓ تھے۔ لیکن اپنے جیب فتوت سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے۔ جو کہ بحکم قرآنی۔ احادیث نبوی اور سیرت شیخین کے موافق قابل تقسیم تھی۔ مسلمانوں کے بیت المال میں مال غنیمت جو لڑائی کی لوٹ میں مسلمانوں کے

ہاتھ آئے اُن زمینات کی مالگزاری جو جنگ میں حاصل ہوا و مسلمانوں کی ملک قرار دی گئی ہو۔ ترکہ تھا۔ خدا۔ رسول۔ اور۔ ذوی القربیٰ کا حصہ۔ خمس نکالنے کے بعد۔ یہ سب حسب احکام قرآن یک معینہ طریقہ سے تقسیم ہونا چاہیئے۔ مثلاً۔ فقراء۔ غرباء۔ نادار۔ مسافر۔ یتیم۔ لڑنے والے سپاہی۔ جنگ کے ہتھیار اور ضروری مصارف جنگ اسی مال سے ادا ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی زمینات خالصہ سے جو غلہ آتا تھا وہ بھی کسی خاص گروہ یا فرقہ سے متعلق نہ تھا بلکہ تمام مسلمان اُس میں برابر کے شریک تھے اور ہر ایک کو اُس کے مصارف کے مطابق دیا جاتا تھا۔ کسی کو حق نہ تھا کہ قوت اور جبر سے دوسروں کا مال غصب کرکے خود اپنے یا اپنی اولاد کے لئے جمع کرے۔ کیونکہ ذخیرہ کرنا یا دوسروں کے مال پر غاصبانہ تصرف کرنا حرام تھا۔

ابوذرؓ نے عبدالرحمٰن ابن عوف کے اموال کے متعلق بھی سوال کعب الاحبار سے کیا تھا۔ انہوں نے کعب الاحبار سے پوچھا تھا کہ "بتلاؤ یہ مال عبدالرحمٰن ابن عوف کے یہاں کہاں سے آیا کہ کیا زمین سے دفینہ ملا ہے یا آسمان سے اُن کے سر پر برسا؟"

شیخ الاسلام ادب جمعیت العلماء کا بیان ہے کہ "اس عقیدہ میں ابوذر سے کوئی متفق نہ تھا۔" درآں حالیکہ ابوذر کا تو یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے اپنے معمولی مصارف سے زیادہ لینا حرام ہے اور ان کا یہ دعویٰ قرآن کے آسمانی آیات سے بالکل مطابق ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ "ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا و سیصلون سعیرا"

(ترجمہ) جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ پیٹ میں آگ کھاتے ہیں اور بہت جلد آگ میں ڈالے جائیں گے۔" کیا اس مال میں یتیم شریک نہ تھے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ولاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (ترجمہ) "تم ایک دوسرے کا مال دھوکہ سے نہ کھالو" کیا عبدالرحمن بن عوف اور بنی امیہ نے مسلمانوں کا مال دھوکہ سے لے کر جمع نہیں کیا۔

معاویہ نے جب سبز محل بنوایا تو ابوذر نے پوچھا۔ تم نے یہ محل اپنے مال سے بنوایا ہے یا مسلمانوں کے مال سے۔ اگر اپنی ذاتی رقم سے تعمیر کیا تو اسراف کیا۔ خدا فرماتا ہے۔ "ان اللہ لایحب المسرفین"۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین"۔ اور اگر مسلمانوں کے مال سے بنوایا ہے تو تم نے خیانت کی"۔ دنیا جانتی ہے کہ معاویہ نے یہ محل ابوسفیان کے متروکہ سے بنوایا تھا یا غرباء و فقراء کے حصہ کی رقم سے؟!

بے شک معاویہ نے مسلمانوں کے بیت المال کو تاراج کر دیا اور اپنی چوری اور تباہ کاری کو چھپانے کے لئے کہتا تھا کہ "یہ خدا کا مال ہے اور میں خدا کا خلیفہ ہوں" مجھے ایک شخص کا واقعہ یاد ہے کہ اس کو ایک شخص نے حرم حسین ابن علیؑ میں شمعیں جلانے کے لئے کچھ رقم دی اس نے وہ رقم صرف کر لی۔ میں نے کہا۔ دوست تم سے یہ وعدہ تو نہ تھا۔ اس نے کہا کیا میں امام حسینؑ کو دوست نہیں رکھتا میں نے کہا کیوں نہیں۔ اس نے کہا "تم کہتے ہو کہ" امام حسینؑ کو دوست رکھنے والے

دل میں اُن حضرت کی قبر ہے" میں نے کہا "ہاں ضرور ہے" اُس نے کہا" جب میرا دل روشن ہو گیا تو اُن حضرت کی قبر بھی روشن ہو گئی" لہذا معاویہ کی عوام فریبی کی داستان بھی اسی قسم کی ہے۔ وہ ابوذر سے کہتا ہے کہ "رقم خدا کی ہے اور میں خدا کا خلیفہ ہوں" کس قدر مناسب ہوتا کہ شیخ الازہر بجائے دوسرے علماء کو حوالہ کرنے کے خود ملاحظہ فرماتے کیونکہ ان علماء کی جلد بازی سے اتنا بڑا شبہہ پیدا ہو گیا۔

ہماری اس مختصر سی توجیہہ سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ابوذر کا عقیدہ علماء و عقلائے اسلام کے خلاف نہیں تھا بلکہ بالکل قرآن کے مطابق اور ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؑ کی سیرت کے موافق تھا۔ مگر یہ کہ شیخ الازہر نے عثمانؓ کے ہواخواہوں اور اہل قرابت ہی کو علماء و عقلائے اسلام سمجھا ہو۔ میں نے شیخ ازہر کو اس کے متعلق تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ جواب آنے کے بعد آپ حضرات کی اطلاع کیلئے ضرور شائع کروں گا۔

کیا معاویہ اور عثمانؓ سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ جس نے نہی عن المنکر دیرائیوں سے بچانے کے لئے ان سے مقابلہ کیا ہو کیوں اُن کو اس بری طرح متہم کیا گیا اور اُن پر اشتراکیت کا الزام لگا کر اُن کی توہین میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اگر خدانخواستہ جامعۂ ازہر کا خزانہ دار جامعہ کے اساتذہ اور طلباء کے مصارف ادا نہ کر کے خود وہ رقم خرچ کر لے تو کیا صدر جامعہ خزانہ دار کو ذمہ دار قرار دیں گے یا طلبہ پر اشتراکیت کا الزام عائد کر کے اُن کو سزا دیں گے۔

جبکہ ابوذر اپنے مقام تبعید یعنی "ربذہ" سے عثمانؓ کے پاس آئے اور خدمت کے لئے ایک خادم اور قوت بسری کے لئے چند بھیڑ بکریاں مانگیں اُس وقت حبیب ابن مسلمہ نے چاہا کہ ایک ہزار درہم اور پانسو بھیڑ بکریاں اور ایک خادم ابوذر کو دے۔ ابوذر کے بلند حوصلے اور عالی ہمتی نے اجازت نہ دی کہ ایسے شخص کے احسان کا بار اٹھائیں جس نے مسلمانوں کے بیت المال سے یہ دولت غصب کی ہے۔ جواب میں کہا کہ تم یہ رقم۔ بکریاں۔ اور خادم اُس کو دو جو اس کا مستحق ہو۔ میں یہ حیثیت ایک فرد مسلم کے اپنا حصہ بیت المال مسلمین سے طلب کر رہا ہوں"!

کس قدر بے انصافی ہوگی کہ محض مذہبی عصبیت کی وجہ سے اسلام کے ایسے بلند حوصلہ اور سچے فدائی کی روح کو متہم اور ناراض کیا جائے۔

جمعیت علمائے ازہر اور بغداد کے روزنامہ "الاخبار" کی اس خبر نے مجھے مجبور کیا کہ ابوذر کی ذات سے اس تہمت کو مٹانے کے لئے اپنا یہ آٹھواں نشریہ انہیں سے مخصوص کر کے شائع کروں۔ علمائے شیعہ نے ابوذر کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے لیکن میں نے ان کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا اور نہ کوئی مستقل کتاب لکھی بلکہ اس کتاب کا ترجمہ کرنا ہی مناسب سمجھا جو ایک سنی عالم کی لکھی ہوئی ہے۔ تاریخی حیثیت سے یہ کتاب چنداں خصوصیت نہیں رکھتی۔ گو مصنف نے ابوذر کے حالات کی کافی تشریح کی ہے جو ہمارا عین مقصد ہے۔ باوجود اس کے بعض مقامات پر شبہات پیدا ہوتے ہیں جن کے متعلق میں نے ترجمہ میں اشارات کر دئے ہیں۔ مدرسہ عالیہ سپہ سالار کے نائب متولی آقائی آقا

ظہیر الاسلام کا متشکر ہوں کہ اُنھوں نے یہ کتاب مجھے مرحمت فرما کر اُس کے ترجمہ کی جراءت دلائی۔ میں اس ترجمہ کو اسلام کے مجاہد اعظم اور رسول اللہؐ کے ممتاز صحابی ابوذر غفاری کی زندہ جاوید روح کی نذر کرتا ہوں۔

اس مقدمہ کے ختم پر یہ جملہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب کے مولف نے اپنے معتقدات کی بنا پر بعض نام آداب و القاب کے ساتھ اور بعض بغیر لقب کے لکھے ہیں مثلاً عثمانؓ کے نام کے ساتھ "امیر المومنین" اور فرزندان رسول کے نام بغیر آداب و القاب کے صرف "حسنؓ اور حسینؑ" لکھے ہیں۔ میں نے ترجمہ کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی جانب سے ایک لفظ بھی کم زائد نہیں کیا۔ یہ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ گمنام خطوط بھیجنے والے حضرات تکلیف گوارہ نہ فرمائیں۔ چنانچہ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ موسیٰ جار اللہ نے پانچویں اور چھٹے امام کا نام اگر بغیر القاب کے لکھا تھا تو آپ نے اپنی کتاب "خلافت تاریخی" میں لکھا ہے علی کہاں ہیں" اُن کا جواب یہ ہے کہ" میں نے یہاں بھی "طبری" کے عین الفاظ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ دونوں مورخ سنی ہیں مترجم کو حق نہیں ہے کہ اپنی جانب سے ایک لفظ بھی کم و زائد کرے"!

ایک اور واجب الاحترام ہستی نے سوال کیا ہے کہ" آپ دین کے پیرایہ میں تجارت کرتے ہیں" یعنی کتاب خلافت تاریخی جو (۱۱۰) صفحات کی کتاب ہے (۲۰) ریال میں فروخت ہو رہی ہے جو بہت زیادہ ہے"۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُس بزرگ نے کتاب کے ٹائیٹل کا آخری صفحہ ملاحظہ فرمانے کی زحمت گوارا نہ فرمائی

جس پر نہایت جلی حروف سے لکھا ہے " از نشریات کتاب فروشی حافظ" جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا تعلق کتب خانہ حافظ سے ہے نہ کہ کتاب کے مصنف سے۔ ہاں مطبع اور اور کتب خانہ کے مالک نے اس ترجمہ کے صلہ میں چند جلد کتابیں مجھے دیں۔ میں نے بعض مخصوص اور بعض ایسے احباب کو مفت ہدیۃً دیں کہ وہ میری محنت کی قدر کر کے مجھے اور شوق دلائیں۔ پس یہ ہے میری تجارت کا نتیجہ۔ اور بقول بعض حضرات کے "کتاب جنایات تاریخی لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے اُن عیوب کو ظاہر کریں جو اب تک اپنے بغل میں چھپائے ہوئے تھے۔

مقدمہ اُستاد اعلائی کے قلم سے

دنیا میں ایک جماعت کو دوسری جماعت سے روابط ہی قریب کرتے ہیں اور انھیں روابط کی وجہ سے کچھ ایسے باہمی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں کہ جن کا مقصد نہ دوستی ہوتا ہے اور نہ دشمنی۔ کبھی جوش و خروش کے عالم میں اور کبھی سکوت و خاموشی کی حالت میں ہم اس طرح محسوس کرتے ہیں کہ یہ تعلقات اپنے ہم عصر یا ہم عمر اشخاص تک ہی محدود نہیں بلکہ اکثر ایسی جماعت سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں یا ہم خود پیدا کر لیتے ہیں جن کی زندگی خاموشی اور سکوت کے ساتھ بسر ہو رہی ہے۔ اور کبھی ایسی جماعت سے کہ جس کا ہر فرد اپنی کتاب زندگی کا افسانہ دوہرا رہا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ

ارتباط کے اسی سلسلہ سے ہم زندگی کے ایسے مرحلہ میں داخل ہو جاتے ہیں جو نہایت کشمکش سرکشی اور خون ریزی کا دور ہوتا ہے۔ اور کبھی یہی ارتباط ہمکو زندگی کے ایسے مختلف ادوار میں پہنچا دیتا ہے گویا ہم بالکل سکوت اور جمود کے عالم میں تاریخ کے بدلتے ہوئے دور کے اس نقطہ پر کھڑے ہیں جہاں سے تاریخ اپنا پچھلا سبق دوھرانے والی ہے۔ یہ دو مناظر انسان کی نظر میں اس طرح مجسم ہو جاتے ہیں جیسے وہ حد فاصل کے نقطۂ استواء پر کھڑا ہے کہ اگر ایک جانب ذرا بھی جھک جائے تو دوسری جانب کا منظر آنکھوں سے اوجھل یا بالکل محو ہو جائے گا۔ جب میں نے اس زندگی کے اسباب ملاش کئے تو اس کا بہترین نمونہ ابو ذر کی زندگی کو پایا۔ انھیں کی ایسی شخصیت ہے کہ جس سے ہم محبت کریں۔ یہی وہ ذات ہے کہ اس فاسد۔ پر آشوب۔ اور بدعملی کے زمانہ میں سکون اور بردباری کا مجسمہ ثابت ہوئی۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بزرگ ہستی کا تصور میرے ذہن میں آیا ہو اور ابو ذر کی شخصیت میری نظر میں مجسم نہ ہو گئی ہو۔ بلکہ بعض اوقات میرے تخیل کی پرواز اس سے بھی بہت بلند ہو جاتی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانیت کی اعلا روح اپنے تمام کمالات ایک موجود ہستی کو بطور امانت کے سونپ دیتی ہے اور وہی (روح) اپنی نظر اس ہستی پر جما کر اس کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ "یہی وہ انسان کامل ہے کہ جس نے اپنی ہستی کا راز پا لیا"۔ ابو ذر نے ایسا رنگ اختیار کیا جو از سرتا پا حقیقت میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں ہرگز یہ نہ کہونگا کہ "ابو ذر تو مجسم تھے" نہ یہ کہونگا کہ "اُن کا جثہ اتنا بڑا

تھا کہ کرۂ زمین پر ان کی گنجائش نہ تھی" اور نہ یہ کہوں گا کہ ابوذر کے فرائض زندگی اوروں سے بہت زیادہ تھے" البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ" وہ زندگی کے رموز خوب سمجھ گئے تھے۔ اُن کی زندگی فطری اور طبعی تھی اسی کے موافق انھوں نے بسر کی۔ ابوذر نے تنہائی میں بسر کی باوجود اس کے کسی کا دستِ تجسس اُن کے پاک دامن کو چھو نہ سکا" ایسی زندگی کی آرزو کرنے والے خواب ہی میں اس کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ تاریخ اور افسانہ میں کیا فرق ہے۔ تاریخ زندوں کے حالات بتلاتی ہے اور افسانہ" چاہے وہ کوئی افسانہ ہو" خود ایک بے جان میں روح حیات پھونک دیتا ہے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھ کر ہم چاہتے ہیں کہ اُن زندۂ جاوید ہستیوں سے آپ کا تعارف کرائیں جو اس روح کے کامل ہونے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلادیں کہ یہی زندگی کے رموز الہام کے منبع۔ اور درخشندگی کے مخزن تھے۔ اسی لحاظ سے ابوذر کی داستان ہم بطور افسانہ کے بیان کریں گے کیونکہ تاریخ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ابوذر نے بہت سختیاں جھیلیں۔ وہ اس عمارت کے لئے مضبوط اینٹیں تلاش کر رہے تھے جس میں اوروں کے ساتھ وہ بھی سکونت پذیر تھے۔ لیکن ان کے ساتھی متحرک تنکوں نے محسوس کر لیا کہ ابوذر کے مقابلہ میں ان کی اینٹیں بودی ہیں اس لئے اپنی ندامت مٹانے کے لئے چاروں طرف سے ابوذر کا راستہ روک دیا۔ ابوذر نے ان سے شکست کھائی مگر آنے والے دن (قیامت) کا نقشہ ان کے سامنے

رکھ کر ابوذر چل دیئے۔

مجھے جب کبھی ابوذر کا خیال آتا ہے تو ایک اور شکل میری نظروں میں پھر جاتی ہے۔ نہ معلوم ابوذر اور (ڈیوجن) میں کیا ارتباط ہے۔ مجھے ان دونوں میں کوئی معنوی ربط ضرور محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی ربط ہو جس سے میں نے اس مقدمہ کی ابتدا کی ہے۔ یہ ایسی معنویت ہے جیسے ایک ہی کنوئیں میں کئی جھرے مل جاتے ہیں۔ یا یہ کہ ابوذر اور ڈیوجن دونوں ایک ہی پیالے سے مست و سرشار تھے۔ ہاں فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیوجن عالم مستی میں خواب راحت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور ابوذر کو اس سے مسرت حاصل ہو رہی تھی کہ عالم سرشاری میں مستانہ نعرے لگاتے ہوئے دنیا کو آگاہ کر دیں کہ "میں نے اس سراب کے دوسرے کنارے پر آبی پرندے دیکھے ہیں۔

جب میں ابوذر کی معنوی بزرگی یا ان کے معنوی اعمال پر نظر کرتا ہوں جن کی وجہ سے اُن کو فضیلت حاصل ہوئی تو میرے ذہن میں ڈیوجن کا تصور آجاتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ابھی اس مولود کا نطفہ بھی منعقد نہیں ہوا ہے۔ اور ابوذر چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ "عنقریب یہ مولود عالم وجود میں آرہا ہے۔

ڈیوجن مدنیت کے لباس میں لپٹا ہوا تھا۔ اور ابوذر ناقابل برداشت تشنگی کے عالم میں صحرا اور بیابان کے مالک تھے صحرا بھی وہ صحرا جو اطمینان سے لبریز۔ سکوت سے منظم۔ اور طوفان سے مملو ہو۔ جیسا کہ ان کے ایمان۔ جہاد اور

بلند حوصلے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

ابو ذر کے ایمان نے مجھے اپنا فریفتہ کرلیا۔ اُن کو اپنے دین و معتقدات اور خود اپنے نفس پر کامل بھروسہ تھا۔ اور یہی یقین اس طرح انسان کی تربیت کرتا ہے کہ کسی شئے کو ایمان کی حد میں نہیں دیکھتا بلکہ ایمان کو ہر شئے کی حد میں تلاش کرتا ہے۔ جیسا کہ پروانہ کو چراغ اپنی طرف کھینچتا ہے اور پروانہ بھی چراغ سے دوری نہیں چاہتا چاہے اس قربت سے اس کی جان ہی چلی جائے۔

اسی ایمان کی بدولت دنیا۔ زندگانی دنیا اور اس کے لوازم ابو ذر کی نظروں میں حقیر تھے۔ یہی ایمان اپنا عمل ہمیشہ ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ عقل کی مدد سے نفسانی خواہشوں کو تابع بنا کر اخلاق حسنہ سے بدل دیتا ہے۔

اسی ایمان کا عملی اثر یہ ہے کہ دنیوی خواہشوں کو ان کی حقیقت سے خارج کر دیتا ہے اور اب وہ دنیوی خواہشیں نہیں رہتیں اور نہ وہ جسمانی خواہشوں کا اثر لیتے ہیں بلکہ ان کا منبع ایمان سے ملی ہوئی ایک روحانی طلب ہو جاتا ہے۔ روحانی طلب یہ ہے کہ روح اپنا پایہ فطرت۔ اخلاق۔ اور اجتماع میں محسوس کرتی ہے۔

ابو ذر کامل ایمان رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں کوششوں سے آخری فتح ان کو نصیب ہوئی۔

شاید ہم عربوں کا اجتماع پہلے سے زیادہ اس وقت آزادی کے ایک پیغامبر کا محتاج ہے۔ ایسا پیغامبر جو اُن کو خواب غفلت سے بیدار کر کے حقیقت کی

راہ پر لگا دے۔

میں جب ابوذر کی شخصیت کا مطالعہ اور اُن کے حالات پر غور کرتا ہوں تو ایک تو اُن کی یہ شکل میری نظر میں آجاتی ہے کہ ایک خمیدہ پیٹھ بوڑھا میرے سامنے کھڑا ہے جس کے رخسار اور پیشانی پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور اُس کے گلے سے فریاد نکل رہی ہے۔

مکتب آزادی کا وہ استاد جس نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے اس قدر صدمات برداشت کئے "وہ چاہتا تھا کہ اپنا یہ پیغام کسی طرح مختلف اقوام و ملل تک پہنچا کر ان سے کہدے کہ "آزادی کے لئے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ پرچم آزادی مختلف اقوام و ملل اور مختلف ادوار میں لہرا رہا ہے۔" وہ کہتا ہے کہ "آزادی کی پکار جو ابتداء میں نالۂ شکستہ تھی ہمیشہ باقی رہے گی اور کبھی منقطع نہ ہوگی" میں جماعت عرب کو ابوذر سے روشناس کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ "حق پر ایمان۔ جرأت۔ شجاعت۔ ثبات قدم۔ اور۔ استقامت" ایسی گم شدہ حقیقت ہے کہ ہمیں اس کی تلاش کیا تھا۔ اس کتاب میں اُس کی جھلک موجود ہے۔

سچ کہتا ہوں کہ اس کتاب نے مجھے جرأت دلائی ہے کہ اپنی قدر و قیمت سمجھوں۔ میں نے وہ کام کیا ہے کہ اب میری قدر و قیمت زمان و زمانیات سے گزر کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی شخصیت سے کیا کچھ بنا سکتے ہیں وہ اپنی زندگی کو ایک ایسے زمانہ کی طرف لے جا رہے ہیں جس کو فنا نہیں ہے اور جو نہیں سمجھتے اُن کی

مثال ایک جسم بے جان کی سی ہے اور جسم بھی ایک چلتی پھرتی قبر ہے۔

جو لوگ جہالت اور ناوانی کے سبب سے ہر پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہہ دیتے ہیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ان کو اپنے خیالات سے آگاہ کریں تاکہ وہ اپنی شخصیت کھو نہ بیٹھیں۔ ہم وہ آگ روشن کریں کہ جس کے شعلے ابوذر کے سینہ سے نکل رہے تھے۔ یا حضرت موسیٰ نے طور پر روشن کی تھی۔

وہ آگ جس سے موسیٰ نے اُس وقت اپنے دل کو مطمئن کیا جب کہ اُن کی عقل۔ جان۔ اور۔ ان کا ہاتھ جل رہا تھا۔ جب اُس وادیٔ مقدس سے پلٹتے ہوئے اپنی قوم کے عزم اور ارادے میں آگ لگا کر ان کو مثل خشک لکڑی کے جلا دیا اور خود بجھتے رہے یہاں تک کہ سب جل کر راکھ ہو گئے' اور ہوا نے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینک دیا۔ فقط

جب کہ عرب ممالک تاریخ کی نظر سے اوجھل تھے۔ جب کہ وحشی عرب مکہ میں جمع ہو کر ایک نئے دین کے خلاف مشورے کر رہے تھے۔ جو لوگوں کو ایک نئی زندگی کی طرف بلا رہا تھا۔

جب کہ سرمایہ دار۔ بردہ فروش۔ مکہ کے خادم۔ کعبہ کے پردہ دار۔ لوگوں کو ایک بڑے خطرے سے مقابلہ کرنے کے لئے بلا رہے تھے۔ کیونکہ ان کو خوف ہو رہا تھا کہ یہ نیا دین ان کے امتیازات اور تفاخر کو خاک میں ملا دے گا۔ اس علاوہ اس وقت کے کنیز۔ غلام مفلس و نادار عرب۔ اور۔ دوسرے عوامی جماعتوں کے چہروں کی بحالی اور آنکھوں کی چمک سے اس خطر کے نتیجہ کا اندازہ کر رہے تھے یعنی وہ آنکھیں جو جہل و نادانی کی وجہ سے اندھی ہو گئی تھیں۔ وہ چہرے جو فقر و فاقہ کی وجہ سے مرجھا گئے تھے اور غلامی کے باعث ذلت کے آثار ان سے نمایاں تھے۔ ان آفت زدوں کے چہروں کی بحالی اس آنے والے خطرہ کا پیغام دے رہی تھی۔ اس وقت جب کہ صدر اول کے مسلمان رات کی تاریکی میں دشمنوں کی نگاہوں سے بچ کر پیغمبر کے اطراف جمع ہوتے تھے اور اس خوف سے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے اُن کو ایذا نہ پہنچے بظاہر یہ ظاہر اُس نئے دین کی تبلیغ نہیں کی۔ باوجود اس کے حکمران جماعت کی ایذا سے محفوظ نہ رہتے۔ منافقین سمجھ رہے تھے کہ یہ دعوت اسلام ان کے بتوں کو پامال کر کے بھی خاموش نہ رہے گی بلکہ اون کے وہ ناموں افکار کے وہ چھوٹے بت جن کو اُس اجماعِ کثیف نے تراش کر اُن کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی ہے۔ اور جن کی پرستش کرنے پر ملت

مجبور رہے۔ اُن کو بھی دماغوں سے ہٹا دیا جائے گا۔

ٹھیک اس موقع پر دو جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوگئیں اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ ایک وہ قدیم جماعت تھی جس میں ہر جہت سے فساد پیدا ہو کر اُن کے قدیم اور بوسیدہ نظم کو بکھیر دیا تھا۔

اور دوسری جانب نوجوانوں کی ایک تازہ دم جماعت نئے قانون کے تحت سب کو ایک مسلک پر جمع کر رہی تھی اور جن کی رگوں میں تازہ خون جوش مار رہا تھا۔

اسی موقع پر جب کہ گرمی کا موسم تھا ایک شخص بلند و بالا۔ دبلا۔ پتلا۔ گندمی رنگ۔ پچکے ہوئے گال۔ سر پر عمامہ۔ اپنا جسم برا بدن عبا میں چھپائے ہوئے مکہ میں وارد ہوا۔ اور خاموشی کے ساتھ بازاروں اور گلیوں میں پھرنے لگا۔

یہ شخص اس لئے خاموش تھا کہ وہ اس شہر میں مسافر اور کسی جگہ سے واقف نہ تھا لیکن کوری نظروں سے ہر ایک کو دیکھتا اور اُن کی گفتگو سن رہا تھا۔ کبھی یہ ارادہ کرتا کہ اب جو شخص میرے پاس سے گزریگا اُس سے اپنے دل کی بات پوچھونگا۔ نہ معلوم کیوں نہیں پوچھ رہا تھا۔ شاید اُس کو منظور نہ تھا کہ اپنا رازِ دل کسی پر ظاہر کرے۔ یا سوال کے نتیجہ سے خائف تھا۔

شام ہوگئی اور یہ مرد مسافر خانہ کعبہ کے قریب لیٹ رہا۔ اس وقت علی ابن ابی طالب اپنے گھر جاتے ہوئے اُس طرف سے گذرے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم مسافر ہو۔

۔ہاں

۔میرے ساتھ گھر چلو

مرد مسافر بغیر کسی گفتگو کے ساتھ ہو لیا۔ مکان پہنچنے کے بعد یہاں تک کہ دوسرے روز کی صبح تک مہمان اور میزبان میں کوئی گفتگو ہی نہ ہوئی گویا اُن دونوں میں کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ صبح کو مرد مسافر اپنے میزبان کے گھر سے نکل کر اُسی طرح گلیوں اور بازاروں میں گھومنے لگا۔ آج اُس کو ایک اور مشکل یہ پیش آئی کہ گھر سے جو توشہ لایا تھا ختم ہو گیا اور پاس کچھ نہ تھا۔ ایک طرف تھکن اور اُس پر مزید بھوک۔ غرض کسی طرح شام ہو گئی بمثل شب گذشتہ کے ٹھیک اُسی وقت علیؑ اور ہر سے گذرے جہاں اُن کا مہمان اپنے جسم نا مرکو میلی پرانی عبا میں لپیٹے ہوئے اپنی مرجھائی ہوئی صورت اندھیرے میں اِس طرح چھپایا ہوئے لیٹا ہے گویا فقر و فاقہ کی زندگی کا مجسمہ یا اطراف مدینہ کے رہنے والے قبائل کی بدحالی اور ذلت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جب اہل قبائل تنگدستی سے مجبور ہو جاتے ہیں تو چوروں کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں یا غلامی کی زندگی قبول کر لیتے ہیں۔" علیؑ نے دیکھتے ہی خیال کیا کہ اب بھی یہ شخص اپنے آپ کو پہچنوانا نہیں چاہتا۔ مسافر کو جگا کر اپنے گھر لے گئے۔ آج رات کو بھی اُسی کل کی رات کے دونوں میں کچھ بات چیت نہ ہوئی چونکہ مہمان کو اپنے میزبان پر بھروسہ نہ تھا اُس نے بھی کچھ نہ کہا۔

تیسری رات کو بھی عادت کے موافق علیؑ اپنے مہمان کو گھر لے گئے لیکن اب خاموشی ناممکن تھی کہا کہ "کیوں مجھ سے نہیں کہتے کہ اس شہر میں کیوں آئے ہو۔"

اگر مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ مجھے راستہ بتلاؤ گے تو میں ضرور کہوں گا۔
میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارا راز کسی سے نہ کہونگا اور اگر ممکن ہو تو تمھارے ارادہ میں مدد کروں گا۔

بہت اچھا اب غور سے سنو۔ میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک مدعی نبوۃ لوگوں کو برے کاموں سے باز رہنے اور اچھے کام کرنے کی نصیحت کر رہا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ مکہ جاؤ اور جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ "مجھے آسمان سے خبر آتی ہے" اُس کے حالات سے ٹھیک ٹھیک واقف ہو کر آؤ" میرے بھائی نے مکہ پہنچ کر دریافت کیا اور واپس آکر کہا کہ "یہ پیغمبر اچھے کام کرنے برائی سے باز رہنے اور لوگوں کے ساتھ نیک اخلاق سے پیش آنے کی نصیحت کرتا ہے میں نے اُن کی تقریر سُنی جو شعر تو نہیں ہے مگر شعر سے زیادہ اُس میں حلاوت ہے"۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ "اس سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تو نے میرے مطلب کی کوئی بات نہیں سُنائی" اسی وقت توشہ اور پانی کی مشک لے کر گھر سے چلا اور یہاں پہنچ کر مسجد میں اُس پیغمبر کا پتہ چلایا۔ لیکن نہ میں اُن سے واقف ہوں اور نہ اُن کا حال کسی سے دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں"۔

یہ سنتے ہی علیؑ کا چہرہ بحال ہو گیا۔ کنکھیوں سے مہمان کی صورت دیکھ کر پوچھا۔ تو کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ مہمان نے کہا "میرا نام جندب ابن جنادہ ہے اور کنیت ابو ذر۔ قبیلۂ غفار سے ہوں" میزبان نے کہا۔ "تم کو پتہ مل گیا۔ کعبہ کے خدا کی قسم وہ

پیغمبر ہے۔ وہ سچائی اور نیکی کے راستہ پر ہے۔ جو لوگ اس کو جھوٹا کہیں اور اُس سے لڑنے پر آمادہ ہوں وہ جھوٹے ہیں۔ میں اس وقت اُسی پیغمبر کے پاس جا رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ آؤ اور جب گھر میں میں داخل ہو جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آؤ۔ اگر میں راستہ میں کسی کو دیکھ کر دیوار کی طرف چلا جاؤں تو تم بغیر اس کے کہ میری طرف دیکھو سیدھے چلے جانا۔"

مہمان اور میزبان رات کے اندھیرے میں وہاں سے چلے۔ کوہ صفا کے قریب ایک مکان پر پہنچ کر علی نے ایک خاص انداز سے کنڈی کھٹکھٹائی تنگا فرے سے دیکھکر پہچاننے کے بعد ایک شخص نے دروازہ کھول دیا۔ علی اور ابوذر کی نظر پیغمبر پہ پڑی۔

اب ابوذر نے پیغمبر کو پہچانا۔ اُن کی غیر معمولی بزرگی اور پاک طینتی ایسی محسوس ہوئی کہ ابوذر کا دل خواہ مخواہ اُن کی جانب جُھک گیا۔ اس کے علاوہ ابوذر نے اُن کو نیک خو۔ بات کا دہنی عقل میں کامل۔ اور۔ ارادہ میں مضبوط پایا۔ ان صفات نے ابوذر کو گرویدہ کر لیا اور وہ سمجھ گئے کہ اس بزرگ کی پیروی ہر انسان کی عزت کا باعث ہوگی۔

ابوذر کا ارادہ ہوا کہ آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ پیغمبر کے جسم تک پہنچائیں گویا وہ چاہتے تھے کہ اُن کے جسم کو مس کر کے اپنے جسم کو متبرک کریں۔ یا وہ چاہتے تھے کہ اس وقت جو ہستی اُن کے سامنے ہے اُس کو چھو کر دیکھیں کہ یہ گوشت اور خون سے

بنا ہوا انسان ہے یا نور مجسم۔

ابھی ابو ذر نے اپنا ہاتھ اُن کے شانوں تک نہ پہنچایا تھا ایک مرتبہ محسوس کیا کہ اُن کا دل نورانی ہوگیا ہے اور اِس بزرگ کی وجہ سے اُن کے جسم میں نئی جان پڑ گئی اور زندگی کی شاہراہ پر آزادی کے ساتھ پھر رہے ہیں۔

کئی روز تک روزانہ حاضر ہوکر ابو ذر پیغمبر کے ارشادات سراپا گوش ہوکر سُنتے رہے۔ ایک روز پیغمبر اُس خدا کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے جس کا نام "پروردگار" کہا تھا۔"

نئی تاریخ اور نوزاد حقیقت کی گفتگو ہو رہی تھی

قریش جو عرب پر اپنی فرمانبرداری واجب جان رہے تھے (پیغمبر) کہہ رہے تھے لوگ سب برابر ہیں۔ سوائے نیک کردار اور نیک رفتار کے کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہے قیصر اور کسریٰ کی نسبت" جو اپنے آپ کو خدا سمجھتے تھے" فرمایا" یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر حاکم ہے۔ تم بھی چھوٹے بت ہو۔ خدا چاہتا ہے کہ دوسرے بتوں کی طرح تم بھی سرنگوں ہو جاؤ" علہ

عرب اور دوسری اقوام کو ایک بہترین زندگی کے لئے آمادہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنی طرف بلا رہے تھے کہ یہ قانون وہ ہے جس میں انصاف۔ مہربانی۔ اور سب کی آسائش کے احکام موجود ہیں۔ یہی قانون تم میں برادری اور مساوات کی روح

علہ - ۔۔۔ (۱۱۱)

پھونک کر تم کو شرارت اور ظلم سے باز رکھے گا اور تم کو نیکی و سعادت کی راہ بتلائے گا۔

محمد ابن عبداللہ اسی طرح بردہ فروشوں۔ سرمایہ داروں۔ منافقین۔ بیوپاریوں۔ اور۔ ہر ظالم پر حملہ کر کے غلاموں۔ کنیزوں۔ آفت زدہ فقراء۔ اور مصیبت کے گرفتار مزدوروں کو اپنے اطراف جمع کر رہے تھے۔ تاکہ ان کے ہاتھوں سے مساوات اور برادری کا راستہ کھلوائیں اور سرمایہ داروں کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ اپنے مال سے اس محنتی اور جفاکش طبقہ کے حقوق ادا کریں۔

(پیغمبر) لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے مثالیں دیتے تھے بیان کرتے اور ظلم و سرکشی کرنیوالوں کو (آخرت کی سزا سے خوف دلاتے اور محنت و مزدوری کرنے والوں کو (آخرت کی) جزاء سے خوشنود کرتے تھے جو اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں سے ظلم سہہ رہے تھے۔ اور یہ آیتہ پڑھتے تھے۔

إن فرعون و هامان علیٰ فی الارض وجعل اهلها شیعًا یستضعف طائفة منهم یذبحون ابناءهم و یستحی نساء هم انه کان من المفسدین ونرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم آئمة ونجعلهم الوارثین۔" (ترجمہ) بے شک فرعون اُس زمین میں غالب تھا اور اس کے باشندوں کو اسی نے کئی گروہ بنادیا تھا۔ کہ ان سے ایک گروہ کو کم زور رکھتا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کیا کرتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا اور ہم

ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو اس سرزمین پر کمزور کر دیے گئے ہیں احسان کریں اور ان کو امام بنائیں اور ہم اُن کو وارث قرار دیں۔

جس وقت محمد یہ آیات پڑھتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان بھی اُن کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ تاریخ نہایت مسرت و طرب کے ساتھ سن رہی ہے اور سیکڑوں برس قبل جس زمین نے ایسی درخشاں صبح نہ دیکھی تھی وہ بھی سراپا گوش تھی۔

جب ابوذر نے اپنے گھر واپس جانے کا ارادہ کیا تو پیغمبر نے اُن کو رخصت کرتے ہوئے کہا "ابوذر تم اپنے اہل قرابت کے پاس چلے جاؤ جب ہمارے ظہور کی خبر سُننا چلے آنا لیکن تم نے جو کچھ سنا اور دیکھا ہے مکہ کے لوگوں سے نہ کہنا مجھے خوف ہے کہ وہ تم کو نقصان پہنچائیں گے۔ مگر ابوذر اپنا راز نہ چھپا سکتے تھے اور نہ چھپا کر کوئی کام کرنا چاہتے تھے۔ وہ دل میں اقلیت کی مدد کا جذبہ لے کر گھر سے نکلے تھے پیغمبر کے جواب میں کہا "اس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچائی پر مبعوث کیا ہے میں باواز بلند اُن لوگوں کو سناؤنگا۔"

پیغمبر کے گھر سے باہر نکلتے ہی مسجد میں پہنچے جہاں قریش جمع تھے اور اُن کو نئے دین کی دعوت دینے لگے۔ حاضرین کو امید نہ تھی کہ اون کے کانوں تک ایسی آواز پہنچے گی انھوں نے ابوذر پر حملہ کر دیا اور اس قدر مارا کہ وہ بدحال اور قریب مرگ ہو گئے۔ عباس ابوذر پر گر کر چلانے لگے کہ "تم کو کس بدبختی نے گھیر لیا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ یہ قبیلۂ غفار سے ہیں اور تمھارے تجارتی قافلے جو شام جاتے ہیں ان کا راستہ اسی قبیلے سے ہو کر گزرتا ہے۔"

اس طرح بیچ بچاؤ کر کے عباس نے چھوڑا لیا اور ابو ذر محمد کے گھر گئے۔ انھوں نے حکم دیا کہ۔

"قبیلۂ غفار میں پہنچ کر ان کو جدید پیغمبر کے ظہور کی اطلاع دو"

ابو ذر اپنے گھر لوٹے اہل قبیلہ کو خوشخبری دی کہ نئے پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں اور بہت جلد عربوں کو متحد کر کے تاریکی سے روشنی میں لائیں گے اور ان میں حق و صداقت و مساوات کا جذبہ پیدا کر کے ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیں گے۔

یثرب کی طرف | اسی امید پر ابو ذر نے چند سال اپنے قبیلہ میں بسر کی قریش نے محمد ابن عبداللہ کو تنگ کر دیا۔ اُن کے اصحاب کو بے حد ایذا ئیں پہنچائیں اور سب سے ترک موالات کر دیا۔ پیغمبر کو اُن کے حال پر ترس آیا۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ کسی غیر ملک کو ہجرت کریں۔

ایک جماعت حبشہ کی جانب چلی گئی کیونکہ حبشہ کا بادشاہ خدا دوست نصرانی تھا۔ وہاں کسی کو تکلیف کا اندیشہ نہ تھا۔ اور محمد (مکہ) میں اسی لئے اپنی دعوت کو مضبوط کر رہے تھے۔ اور قریش بھی ایذا رسانی میں شدت کر رہے تھے۔ محمد حج کے موقع پر جب عرب کے قبائل حج کے لئے آتے تو تبلیغ شروع کرتے اور ختم حج کے بعد اطراف (مکہ) کے قبائل میں بذات خود جا کر اُن کو اسلام کی دعوت دیتے۔ لیکن بعض اُن کے ساتھ بدسلوکی کرتے اور بعض نہایت بری طرح اُن کو اپنے یہاں سے نکال دیتے (زندگانی محمد تالیف ڈاکٹر حسین ہیکل صفحہ ۱۸۴)

اس دعوت اسلام کو بارہ سال گزرنے کے بعد مددگاروں کی ایک جماعت یثرب سے آئی (جس کا نام بعد کو "مدینۃ النبی" قرار پایا جہاں اُن کے ماموؤں اور اُن کے

والد عبداللہ کے قیور تھے) اُن میں سے ایک گروہ نے پوشیدہ مقام " العقبہ " پر بیعت کرلی اور مدینہ واپس ہونے کے بعد بھی ایمان پر ثابت قدم اور جو وعدہ کیا تھا اُس پہ قائم رہی۔

محمد نے اپنے اصحاب سے کہا کہ " تم مدینہ جا کر وہاں کے باشندوں سے اپنے نئے دین کے لئے اُن سے مدد لو "۔ قریش کے حملہ کے خوف سے اصحاب کی ایک ایک ٹکڑی مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچی۔

فقط محمد۔ علی ابن ابی طالب اور چند ایسے اصحاب جو نہ نکل سکے مدینہ میں رہ گئے۔

چند اشراف قریش جن کو خوف تھا کہ کہیں محمد مدینہ نہ چلے جائیں " دارالندوہ " میں جمع ہوئے (یہ وہ مقام تھا کہ جہاں قریش اپنے مالی و ملکی معاملات میں وہاں بیٹھ کر مشورت کرتے تھے) اور ضروری گفتگو کے بعد طے پایا کہ ہر قبیلہ سے ایک بہادر جوان منتخب کر کے سب بیک وقت اپنی تلواروں سے اُن کو قتل کر دیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بنی عبد مناف اتنے قبائل سے خون کا بدلہ نہ لے سکیں گے اور اس انقلابی شخص سے اُن کو بھی نجات مل جائیگی جو اُن کے دین اور شرافت کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ اُس مقررہ رات کا کچھ حصّہ گزر اتھا کہ قاتلوں کی جماعت پیغمبر کے مکان کے قریب جمع ہوئی۔ ادھر محمد کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی علی کو اپنی جگہ اپنے بستر پر سلا دیا قاتلوں کو اس شبہ میں ڈالنے کے لئے کہ محمد ابھی سو رہے ہیں اپنی مخصوص چادر علی پر ڈال دی اپنا منھ کپڑے سے لپیٹ کر گھر سے باہر نکل گئے اور ابوبکر سے جا ملے جو اُن کے انتظار میں

کھڑے تھے اور دونوں غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ پہلے کہیں چھپ جائیں اور جب قریش تلاش کرتے کرتے تھک جائیں تو پھر کچھ تجویز کریں گے۔

غار ثور میں دو روز گذرے۔ سوائے ابوبکر کے غلام عامر ابن فہیرہ کے کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں ہیں۔ قریش ڈھونڈ ڈھونڈ کر عاجز آ گئے اور تھک کر بیٹھ رہے تیسرے روز جبکہ ابوبکر کے غلام کو اطمینان ہو گیا خود ایک اونٹ پر سوار ہوا ایک اونٹ ابوبکر اور ایک محمد کے لئے لئے ہوئے غار پر پہنچا۔ اور غیر مشہور راستہ سے تینوں مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ میں محمد کو کامیابی ہوئی۔ اوس اور خزرج کے قبائل جو شجاعت، بہادری۔ اور۔ مدد کرنے میں شہرہ تھے اُن پر ایمان لائے۔

ان جدید پیروؤں کی مدد ملتے ہی محمد نے جنگ بدر چھیڑ دی اور خود بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے۔ علاوہ مال غنیمت کے جو اس جنگ میں ہاتھ آیا محمد نے اُس تجارتی مال پر بھی قبضہ کر لیا جس میں سب قریش شریک تھے۔ یہ سب مال مسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔ اور جو مسلمان شہید ہوئے اُن کا حصہ ان کے وارثوں کو دیا گیا۔

مسلمانوں نے مکہ اور شام کا درمیانی راستہ بند کر دیا تھا۔ اس اقتصادی شکست سے قریش بہت نقصان میں تھے اس لئے انھوں نے سپاہ جمع کر کے "احد" کی جنگ شروع کی۔ اس جنگ میں پیغمبر کے بہت سے اصحاب شہید ہوئے۔ جنگ احد کے بعد "احزاب" کی لڑائی پیش آئی۔ مسلمانوں نے شہر کے اطراف خندق

کھودنا شروع کر دی تاکہ دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ جو محمدؐ بھی خندق کھودنے میں شریک تھے۔ ایک روز سلمانؓ کے ہاتھ سے کدال لے کر خندق میں اُتر پڑے اصحاب سب دیکھ رہے تھے۔ وہ سفید پتھر کہ جس کو توڑنے میں سلمان ناکام ہو رہے تھے اُس پر کدال ماری۔

عمرو ابن عوف مزنی کہتے ہیں کہ "پیغمبر نے اس پتھر پر جو ضرب لگائی اُس کے اثر سے ایک ایسی چمک پیدا ہوئی جیسے اندھیری رات میں چراغ روشنی دیتا ہے اور اس کے پرتو سے مدینہ کے اطراف کے ٹیلے نظر آنے لگے۔

پیغمبرؐ نے تکبیر کہی مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی۔ دوبارہ کدال ماری۔ پھر ویسا ہی نور چمکا۔ پیغمبر نے اسی طرح تکبیر کہی اصحاب نے بھی تکبیر کہی۔ اسی طرح تیسری مرتبہ بھی ہوا۔

محمدؐ نے سلمان کا ہاتھ پکڑا اور خندق کے باہر آگئے۔ سلمان نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے آج جو واقعہ دیکھا کبھی نہ دیکھا تھا۔ پیغمبرؐ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر کہا "سلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ تم سب نے دیکھا" تمام اصحاب نے کہا کہ "آپ کی ضرب کے اثر سے مثل موج کے بجلی چمکی آپ نے تکبیر کہی اور ہم نے بھی کہی۔ اس کے سوا" اور کچھ نہیں دیکھا" پیغمبر نے کہا کہ "پہلی روشنی میں "حیرہ" کے مکانات اور کسریٰ کے شہر میں نے دیکھے۔ دوسری چمک میں روم کی زمین پر بنے ہوئے سرخ محل نظر آئے اور تیسری روشنی میں دکوہ صنعا کا منظر دیکھا۔

محمدؐ نے اُس روز یہ خوشخبری اپنے اصحاب کو دی تھی اور تھوڑی مدت میں

اُن تمام مقامات پر مسلمان قابض ہو گئے۔

ابوذر اپنے قبیلہ میں یہ خوش خبری سُن رہے تھے اور ان خونیں لڑائیوں میں شریک ہونے کے لئے اُن کا دل تڑپ رہا تھا۔ آخرکار قبیلہ غفار میں نہ رہ سکے اور اصحاب پیغمبر کے ساتھ اُن کی خوشی اور غمی میں شریک ہونے کے لئے مدینہ روانہ ہوئے۔

پیغمبر کے صحابی

ابوذر غفار سے اپنے ساتھ کچھ نہیں لائے اس لئے کہ اُن کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ جب مدینہ پہنچے تو اصحاب صفہ کے ساتھ مسجد میں ٹھیر گئے جن کے لئے کوئی دوسرا مقام مقرر نہ تھا جن کے لئے کسی ساز و سامان کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کی صبح نماز سے شروع ہوتی تھی اور نماز ہی پر ختم۔ جو لوگ سچائی کے ساتھ ایمان لائے وہی ان کے دوست تھے۔ جب مسلمان جہاد پر مامور ہوتے ابوذر بھی اُن کے ساتھ شریک ہو جاتے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جہاد سے انکار کیا ہو یا جنگ میں تھک گئے ہوں۔

پیغمبر ان اصحاب کو ہر شب جمع کر کے (کھانے کے لئے) اپنے اصحاب میں بانٹ دیتے۔ اور کبھی چند اشخاص کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتے جن میں ابوذر بھی ہوتے تھے جو پیغمبر کے کاروبار اور لڑائیوں میں پیغمبر کے شریک تھے۔ پیغمبر کی گفتگو سننے کے لئے مسجد میں اُن کے ساتھ بیٹھتے اور جو خیال میں آتا پوچھ لیتے یہاں تک کہ بہت بڑے مجاہد اور اعلیٰ درجے کے محدث ہو گئے۔ علیؑ ابن ابی طالب اُن کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "ابوذر ایسے جاننے والے تھے کہ کسی کو یہ بات نصیب نہ تھی" اور

یہ بھی کہا کہ" اس قدر علم ابوذر کے پیمانہ میں ڈالدیا گیا ہے کہ وہ پیمانہ بھر گیا۔"

جب ابوذر حاضر رہتے پیغمبر اُن سے گفتگو کرتے اور جب موجود نہ رہتے تو دریافت کرتے۔ جب جنگ "بنی المصطلق" کو گئے تو ابوذر کو مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا۔ اور یہی اس کی علامت ہے کہ (پیغمبر) کو ان پر کامل اطمینان تھا۔

جب تک ابوذر مجرد رہے مسجد میں سویا کرتے تھے۔ جب نکاح کرلیا تو ان کے لئے ایک ٹیلہ پر چھوٹا سا خیمہ نصب کرا دیا گیا جو صحرا سے متصل تھا۔

ابوذر کبھی کبھی صبح اور عصر کے وقت اپنے خیمہ کے در پر بیٹھے ہوئے اُس وسیع صحرا کا نظارہ کرتے تھے جو حد نظر تک دکھائی دیتا تھا۔ اُن کی اس منظم خاموشی کو نے کی صدا یا اذان کی آواز چونکا دیتی تھی جو لوگوں کو نماز کے لئے بلاتی تھی۔

ابوذر (اس عالم سکوت میں) دیکھ رہے تھے کہ یہ ریگستان اسقدر وسیع ہو گیا ہے کہ گویا جزیرۃ العرب اور اس کے اطراف کے قبائل آپس میں متحد ہو کر ایرانیوں اور رومیوں کے تسلط سے آزاد ہو گئے ہیں۔

فتح مکہ (معظمہ مکرمہ) کے بعد جو قبائل کل تک محمدؐ کے دشمن تھے اُن کی آنکھیں نیچی ہونے لگیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قافلۂ تمدن کے پیچھے رہ جائیں انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس سرزمین پر بہت بڑی سلطنت قائم ہوگی اور کسی دوسرے کی دوستی ان (مسلمانوں) سے نجات نہیں دلا سکتی

محمدؐ نے ایک گروہ کو مامور کیا جو قبائل میں جاکر اُن کی آمدنی کا دسواں حصہ (عشر) لیتے تھے اور یہ مال فقرا میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ان فقرا کا یہ حال تھا کہ قرض خواہوں کے تقاضوں سے عاجز ہوکر اپنی اولاد اور بیویوں کو ان سود خواروں کے حوالے کر دیتے تھے۔ (پیغمبرؐ) کی اس تجویز سے اُن کے بار بہت ہلکے ہو گئے۔

ابو ذر اس طریقہ سے ایک حد تک خوش تھے اور کبھی آیندہ کا خیال رکھتے ہوئے اپنے دل میں کہتے تھے کہ اگر اسلام اسی طرح آگے بڑھتا جائے تو عوام کی زندگی کی سطح ٹھیک ہو جائے گی اور لوگ اچھی طرح اپنی زندگی بسر کریں گے۔

ایسا پیغمبرؐ کہ جس نے عربوں کو دوسروں کی غلامی سے نجات دلا کر ایک نقطہ پر جمع کر دیا ہو۔ یہ عمل رومیوں کے لئے ناگوار تھا۔ ہرقل نے بہت بڑی سپاہ جمع کی اور عرب کے قبائل۔ لخم۔ جذام۔ عاملہ۔ اور۔ غسان جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا ہرقل کے ساتھ شریک ہو گئے۔

ہرقل نے ارادہ کیا کہ اس لشکر گراں سے جزیرہ نمائے عرب کے شمال سے حملہ کردے۔ اس تدبیر سے مسلمان قبائلِ عرب کا راستہ روک کر غیر مسلم قبائل عرب کی مدد سے اس نئی حکومت کی بنیاد اکھیڑ دے۔ قبل اس کے کہ اس نقشہ پر عمل ہو پیغمبرؐ اُس کے ارادہ سے واقف ہو گئے اور اپنے (اصحاب) کو رومیوں سے لڑنے کے لئے طلب کیا۔

بعض سرمایہ دار مسلمانوں نے میدان جنگ کو چلنے سے انکار کیا فقراء نہایت شوق و رغبت سے جوق جوق آکر مجاہدین کی صف میں شریک ہونے لگے۔
انھی فقراء کی ایک جماعت نے پیغمبر سے سواری کی خواہش کی تاکہ میدان جنگ تک پہنچ جائیں۔ پیغمبر نے کہا کہ "میرے پاس کچھ نہیں ہے" مجھے معاف کرو" وہ بیچارے غمگین و اشک بار ہو کر واپس ہو گئے۔
ایک گروہ اپنے لاغر اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر مدینہ کے باہر چلا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دو میل راستہ طے کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی مجاہد پیچھے رہ جاتا۔ اصحاب چلاتے کہ "فلاں شخص پیچھے رہ گیا" پیغمبر اس کے جواب میں کہتے "اُس کو چھوڑ دو۔ اگر اُس کی قسمت میں نیکی ہے تو تم سے آملیگا اور اگر اُس کے وجود سے تم کو نقصان پہنچنے والا ہے تو خدا نے تم کو اُس سے آسودہ کر دیا۔
ابو ذر ایک لاغر اور مریل اونٹ پر سوار تھے جو اتنا طویل راستہ طے نہیں کر سکتا تھا وہ بھی پیچھے رہ گئے۔ جب لوگوں نے پیغمبر سے کہا کہ ابو ذر پیچھے رہ گئے اور اُن کا اونٹ چل نہیں سکتا۔" پیغمبر نے وہی الفاظ دوہرائے " ان کو چھوڑ اگر اُن کے لئے بھلائی ہے تو وہ تم تک پہنچ جائیں گے اور اگر اُن کا وجود تمہارے لئے نقصان دینے والا ہے تو خدا نے تم کو آسودہ کیا"۔ لشکر نے ابو ذر اور اُن کے علاوہ جو پیچھے رہ گئے تھے ان سب کو چھوڑ کر اپنی راہ لی۔
ابو ذر ان کے ساتھ شامل ہونے پر تیار نہ تھے جو ایمان کے ضعف

یا امداد کی سستی کی وجہ سے ایسے جہاد سے منہ موڑیں جس پر عرب کی موت و حیات منحصر تھی اور خود پیچھے رہ جائیں۔ اس لئے اونٹ کو چھوڑ دیا۔ جو کچھ ساتھ تھا اپنی پیٹ پر لاد کر تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے تاکہ جس قدر جلد ہو سکے اپنے مجاہد بھائیوں تک پہنچ جائیں۔

ابوذر اس وسیع بیابان کو اس طرح طے کر رہے تھے کہ کبھی ٹیلہ پر تو کبھی گڑھے میں اور کبھی تپتے ہوئے مسطح ریگزار پر گذر رہے تھے کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی چاروں طرف سے جلتی ہوئی ریگ گھیرے ہوئے ہے۔ ابھی ایک جگہ ریگ کا ٹیلہ نظر آیا اور دم کے دم میں تیز ہواؤں نے اسے منتشر کر دیا یا دوسری جگہ ایک ٹیلہ بنا دیا۔ پیاس اور تھکن نے اُن کو بے حال کر دیا تھا۔ اسی عالم میں بہت فاصلہ پر ایک سفید ابر کا لکہ جو مثل ایک تالاب کے معلوم ہوتا تھا اُن کو نظر آیا۔ پہلے تو یہ خیال کیا کہ "یہ سراب ہے،، لیکن جب یہ ہزار زحمت وہاں پہنچے تو دیکھا کہ برسات کا پانی ایک پتھر کے شگاف میں جمع ہے۔

ابوذر نے اپنے سوکھے لب اُس پانی سے تر کئے، تھوڑا سا پی کر اپنی مشک میں بھر لیا اور اُسی طرح اُس بے آب و گیاہ بیابان کو طے کرنے لگے۔

جب لشکر تبوک کے قریب پہنچا تو ایک سپاہی نے دیکھا کہ ایک شخص اُس بیابان کے آخری کنارے سے آتا ہوا نظر آ رہا ہے متعجب ہو کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ساتھ ہی تمام لشکر بھی رُک گیا اور سب اُس شخص کو دیکھنے لگے جو اس بیابان میں

یکہ و تنہا چلا آرہا تھا۔ تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی سب نے پہچان لیا کہ "یہ ابو ذر ہیں "

محمدؐ نے ابو ذر کو دیکھتے ہی اُن کے گلے میں اپنے دونوں ہاتھ ڈال دیئے اور بے حد مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ابو ذر کو پانی پلاؤ وہ پیاسے ہیں۔ ابو ذر نے اپنی مشک پیغمبرؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔

محمدؐ نے تعجب سے کہا " ابو ذر تم اپنے ساتھ پانی رکھتے ہوئے پیاسے رہے۔

ابو ذر نے کہا " میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں ایک پتھر کے قریب پہنچا جس کے شگاف میں برسات کا پانی جمع تھا تھوڑا سا پینے کے بعد معلوم ہوا کہ سرد اور لطیف ہے۔ خیال کیا کہ جب تک آپ نوش نہ فرمالیں نہ پیوں گا۔"

(پیغمبر اکرم نے فرمایا) اے ابو ذر خدا تم کو بخشے۔ تنہا زندگی کرو گے۔ تنہا مرو گے۔ اور (قیامت میں) تنہا اٹھائے جاؤ گے۔"

جب پیغمبرؐ تبوک پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے اُن سے مصالحت کر لی اور اطراف کے رہنے والوں نے بھی ... یہ قبول کر کے اطاعت کا اظہار کیا اور لشکر اسلام (پیغمبرؐ) لوٹے ہوئے مدینہ واپس ہوا یہ پیغمبرؐ کی آخری لڑائی تھی۔ جو سنہ ۹ ہجری میں واقع ہوئی۔

وہ نیک کردار خلیفہ۔

ابو ذر کے دل میں یہ آرزو تھی کہ وہ اسلام کے نئے دور کے نتائج بھی دیکھ لیں جو بتدریج ترقی کر رہا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہجرت کے گیارھویں سال مسلمانوں کے سروں سے اُن کے پیغمبرؐ کا سایہ اٹھ گیا۔

یہ مصیبتِ عظیم ابوذر کے دل کو گھلا رہی تھی اور قریب تھا کہ اس کی وجہ سے وہ شمع امید بھی خاموش ہو جائے جو ابوذر کے دل میں روشن تھی۔ وہ ڈر رہے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغمبر کا خلیفہ ہوا و ہوس میں مبتلا ہو کر اپنے اہل قرابت کو مسلمانوں کی گردن پر سوار کر کے مسلمانوں کو سیدھی راہ سے منحرف کر دے۔

ابوذر کو سب سے زیادہ بے بس اور بے سہارا مسلمانوں کے حقوق ضائع ہونے کا خوف تھا۔ کیونکہ پیغمبر کی وفات سے پہلے جماعت عرب کی جانب سے روز افزوں کمک پہنچ رہی تھی (جو نئے نئے ترقی کی شاہ راہ پر گام زن تھی) اور ان غربا کے لئے کام کر رہی تھی۔ اور امید تھی کہ اس کام میں اور وسعت ہو گی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ابوبکر اپنے فولادی پنجے سے اس کام کو نہ سنبھالتے تو اسلامی حکومت اضطراب اور کھینچ تان میں پڑ جاتی۔ عله

ابوذر علی کو ابوبکر پر مقدم۔ اُن کو خلافت کے لئے سزاوار اور لائق تر سمجھ رہے تھے ثقیفہ کے روز جب علی نے مسلمانوں سے کمک چاہی۔ چند مہاجر اور انصار ان کے پاس آئے جن کے سردار ابوذر تھے کہا کہ خدا کی قسم تم امیرالمومنین ہو۔ تم سب سے زیادہ پیغمبر کے قریب تر اور لوگوں کی سرپرستی کے لئے سزاوار ہو۔ آؤ ہم تم سے بیعت کرتے ہیں اور خدا کی قسم ہم تم پر اپنی جان قربان کر دیں گے" علی نے کہا۔ "اگر تم سچ کہتے ہو تو کل تم سب اپنے سر منڈوا کر آؤ۔"

دوسرے روز صبح کو صرف چار آدمی سے زیادہ ان کے

پاس نہیں آئے۔
یعنی۔ زبیر۔ سلمان۔ مقداد۔ اور۔ ابوذر۔ اس کے بعد بھی چند روز تک اسی طرح
تمتے رہے۔
ابوذر ڈر رہے تھے اور خیال کر رہے تھے کہ کہیں اس اختلاف اور ہنگامہ
آرائی سے اسلام کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ان میں سے بعض جو ابوبکر پر اعتراض
کر رہے تھے ان کا مقصد صرف علی کی دوستی نہ تھی بلکہ وہ مسلمانوں کو آپس میں
لڑانا چاہتے تھے۔ اسی لحاظ سے (ابوذر نے) ابوبکر کی بیعت کر لی جس طرح کہ علی نے
بھی مسلمانوں کے باہمی اختلاف کلمہ کے خوف سے ابوبکر کی بیعت کر لی۔
صحابہ میں کوئی بھی ابوبکر کی بیعت سے پشیمان نہ تھا۔ خلیفہ نے نیک راستہ
اختیار کیا اور مثل پیغمبر کے غربا کی طرفداری کر کے ظالم سے مظلوم کا حق لیتے اور آپس کے
اختلاف کو روکتے تھے (چنانچہ) خلافت کے روز پہلا خطبہ جو پڑھا اوس میں حاکم عادل
کے اوصاف اس طرح بیان کئے۔
"لوگو! میں جو تمھارا حاکم ہوا ہوں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر اچھا کام کروں تو
میری مدد کرو۔ اور اگر برا کام کروں تو مجھے روکو۔ سچائی امانت کی نشانی ہے اور جھوٹ
خیانت کی علامت ہے۔ تم میں جو ناتوان ہے وہی میرے پاس توی ہے یہاں تک کہ
اس کا حق لے لوں (انشاء اللہ)
کسی ملت نے جہاد سے منھ نہیں موڑا اگر یہ کہ خدا نے اس کو ذلیل کیا۔ اخلاقی فساد

کسی ملت میں رواج نہیں پایا گیا ہو کہ بلا اس کے گلے کا ہار ہو گئی۔ جب تک کہ خدا اور رسول کی پیروی کرتا رہوں میری اطاعت کرو۔ لیکن جب خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم میری پیروی کا نہیں ہوں"

ابوذر کو اگر ہم بھول بھی جائیں تو اس دن کو ہم نہیں بھول سکتے جب کہ ابوذر اسامہ ابن زید کے زیر قیادت جنگ کے لئے جا رہے تھے۔ ابوبکر نے لشکر کے درمیان کھڑے ہو کے ایسا خطبہ پڑھا جو تمام فنونِ حرب پر حاوی تھا۔

کہا "لوگو تم کو دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں اُن کو ملحوظ رکھو اور ان میں خیانت نہ کرو۔ حد سے بڑھ نہ جاؤ حیلہ نہ کرو۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان نہ کاٹو۔ (مُثلہ) نہ کرو۔ چھوٹے بچوں کو مت قتل کرو۔ زیادہ عمر کے بوڑھوں کو مار نہ ڈالو۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹو۔ میوہ دار درخت نہ کاٹو۔ بکرے۔ اونٹ۔ اور بیل کو (سوائے کھانے کے لئے) ذبح نہ کرو۔ تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اطمینان کے ساتھ عبادت گاہوں میں بسر کر رہے ہوں گے اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم ایسے لوگوں کو بھی دیکھو گے کہ مختلف قسم کے کھانے کیلئے تمہارے استقبال کو آئیں گے۔ جب تم یہ غذائیں کھاؤ تو خدا کا نام لو۔ ایسوں کو بھی دیکھو گے کہ ان کے آدھے سر مونڈے ہوئے اور سر کے بال مثل عمامہ کے چھوٹے ہوئے ہوں گے ان پر اپنی تلواریں لگاؤ۔

پیغمبر بیت المال کی رقم سے مسلمانوں میں ہر ایک کو برابر کا حصہ تقسیم کرتے تھے اور پانچواں حصہ (خمس) اپنے اقربا۔ غربا۔ فقرا۔ اور مسافرین کو دیتے تھے۔ اور اسی

ترتیب سے ان کا حصہ زیادہ کرتے تھے۔

جب پیغمبر دنیا سے چلے گئے تو بعض سرمایہ داروں نے چاہا کہ دوبارہ جاہلیت کے طریقہ کو رواج دیں۔ اسی لئے زکوٰۃ دینا چھوڑ دی لیکن ابوبکر نے ان سے لڑنے کے لئے گیارہ لشکر تیار کرکے ان کو شکست دی اور زکوٰۃ دینے پر ان کو مجبور کیا اور حسب معمول مسلمانوں کے بیت المال سے سب کو برابر تقسیم کردیا۔

سب سے زیادہ اہم اموال جن کی وجہ سے مسلمانوں کا بیت المال حکومت کے خزانہ کا کام دیتا تھا حسب ذیل ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ۔ جو مسلمانوں سے لے کر فقرا اور مساکین پر تقسیم کرتے تھے۔

۲۔ جزیہ۔ جو یہود اور نصاریٰ سے زکوٰۃ کے عوض لیتے تھے۔

۳۔ خالصہ جات کی مالگزاری جس کا چوتھائی حصہ فقرا کو دیا جاتا تھا اور بقیہ فوجی مصارف میں خرچ ہوتا تھا۔

۴۔ مال غنیمت۔ جو لڑائی کی لوٹ میں ملتا تھا۔ یہ بھی مثل خالصہ جات کی مالگزاری کے تقسیم ہوتا تھا۔

۵۔ وہ مالِ تجارت جو بیرون ملک سے فروخت کی غرض سے لایا جاتا تھا اس کا دسواں حصہ۔ جب عمر کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کام کیا جس طرح کہ ان سے پہلے دو بزرگوں نے کیا تھا اور نہایت امانت کے ساتھ ایک حکومت کی نشان سے تمام ملک میں احکام جاری کئے۔

عمر کا زمانہ نہایت آسائش۔ عدالت۔ اور فراخی کا تھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ جو مسلمان سب سے آگے ہیں اور جنھوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہے دوسروں کے مقابلہ میں اُن کو امتیاز حاصل ہونا چاہیئے اس لئے ایک دفتر ترتیب دیکر ہر ایک کے لئے اُس کی خدمت کا معاوضہ مقرر کیا۔

جب مسلمانوں نے عراق فتح کیا تو عبدالرحمن ابن عوف نے خلیفہ سے کہا کہ "عراق کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں" لیکن عمر نے اسکو قبول نہیں کیا بلکہ ان زمینوں کو اُنہی کے مالکوں کے قبضہ میں رکھ کر اُن کی مالگذاری مسلمانوں پر تقسیم کر دی۔ اس اقدام سے ابو ذر بہت خوش ہوئے۔ خصوصاً اُن کی خوشی اور بھی اس وقت زیادہ ہو گئی جب کہ خلیفہ نے ہر اس بچہ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوتا تھا اسیطرح نہروں اور کنووں کی تعمیر۔ و واخانوں۔ اسیروں اور قیدیوں کے لئے ایک معینہ رقم منظور کی۔ اس کے علاوہ طالب علموں اور مدرسین کے لئے بھی وظائف مقرر کئے۔

ابو ذر نے دیکھا کہ اُن کی خواہش کے موافق (عدالت و مساوات) قدم بڑھائے جا رہے ہیں۔ اور اُن کی خوشی اس وقت اور بھی زیادہ ہو گئی جب کہ انھوں نے دیکھا کہ خلیفہ عوام کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عمر ایک سپاہی اور ایک افسر دونوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے اور دونوں کے مقابلہ میں وہی حکم جاری کرتے تھے جو قرین معدلت ہو۔ اجرائے احکام کے وقت مساوات کے

قائم رکھنے میں عمر کو کوئی چیز روک نہیں سکتی تھی۔

عمر میں ایسے برجستہ صفات بہت تھے۔ نمونہ کے لئے ہم جبلہ ابن ایہم د بادشاہ غسان کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ جبکہ جبلہ خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا ایک عرب کا پاؤں اس کی لنگی کے کنارے پر پڑا اور لنگی کھل گئی۔ اس پر جبلہ آپے سے باہر ہو گیا اور پلٹ کر اس زور سے اس عرب کے منہ پر گھونسا مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ خلیفہ کے پاس شکایت پیش ہوئی۔ جبلہ نے کہا کہ اس نے عمداً میری لنگی کھولدی۔ اگر خانہ کعبہ کا احترام مدنظر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار اس کے سر پر مارتا۔

عمر نے کہا جب تم اقرار کر رہے ہو تو تم کو چاہیئے کہ اس کو راضی کر لو ورنہ میں تم سے اس کا بدلہ لوں گا۔

جبلہ نے پریشانی کی حالت میں کہا "کیسے۔ کیا کرنا چاہتے ہو"

- کچھ نہیں احکم دیتا ہوں کہ تمھاری ناک بھی توڑ دی جائے۔

- افسوس کیا یہ ممکن ہے۔ وہ رعیت ہے میں بادشاہ ہوں۔

- ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں۔ اسلام نے تم کو اور اس کو ایک درجہ میں رکھا ہے۔ البتہ تم پرہیزگاری کی بدولت اس سے برتر ہو سکتے ہو۔

- میں سمجھتا تھا کہ بہ مقابل جاہلیت کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے میرا احترام زیادہ ہوگا۔

- ان باتوں کو چھوڑو ان سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جلدی کرو۔ ابھی اس کو

راضی کرلو ورنہ میں خود تم سے بدلہ لوں گا۔

(جبلہ نے دیکھا کہ یہ دل لگی نہیں ہے) کہا۔ "مجھے آج ایک شب کی مہلت دیجئے غور کرکے کل آپ کو جواب دوں گا" مہلت لی اور اسی شب فرار کرکے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

عمر نے سوائے بعض کے کسی ملازم کو آخر تک ایک ہی مقام پر نہیں رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کے مقرر کئے ہوئے حکام سے کوئی غلطی ہو جائے اور لوگوں میں بدگمانی پیدا ہو تو ایسے شخص کو اس خدمت پر بحال رکھنا دین اور خود ان کی ہمت مردانہ کے خلاف ہوگا۔

عمر۔ جب کسی کو کسی خدمت پر مامور کرتے تھے تو روانگی سے قبل اس کی جائداد کی فہرست بنالیتے تھے۔ جب وہ حاکم خدمت سے سبکدوش ہوتا دیا کیا جاتا: تو اس پہلی فہرست سے مقابلہ کرنے کے بعد جس قدر زیادہ اس نے کمایا ہو سب بیت المال میں داخل کردیا جاتا۔ منجملہ ان کے عمرو عاص کا واقعہ ہے۔

عمرو عاص کو مصر کی حکومت پر مامور کرنے کے بعد عمر کو معلوم ہوا انھوں نے بہت مال جمع کیا ہے لہذا اس مضمون کا ایک خط بھیجا گیا۔

"معلوم ہوا کہ تم نے بہت مال جمع کرلیا ہے (دراں حالیکہ) اس خدمت پر روانہ ہونے سے پہلے تمہارے پاس کچھ نہ تھا۔ بتلاؤ کہ یہ مال کہاں سے پیدا کیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے سوائے اس رنج کے کہ تم نے مال خدا میں خیانت کی (اور) کوئی رنج تم سے

نہ پہنچے تو میں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ مہاجرین و انصار میں تم سے بہت بہتر لوگ موجود تھے۔ مگر تم کو صرف اس لئے میں نے حکومت پر مامور کیا کہ تم سیر چشم ہو دوسروں کے مال پر نظر نہ ڈالو گے۔ جلد جواب دو کہ یہ مال کہاں سے لائے اور تم بھی فوراً میرے پاس چلے آؤ۔

عمرو نے جواب دیا کہ "اس وقت جہاں ہم ہیں ارزانی ہے اور ہم کو جو تنخواہ ملتی ہے ہمارے خرچ سے زیادہ ہے"۔ عمر نے دوبارہ لکھا۔

"میں بدکار اور بددیانت ملازمین سے بخوبی واقف ہوں۔ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بدجواس ہو گئے ہو۔ میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں۔ محمد ابن مسلمہ کو روانہ کیا ہے تاکہ وہ تمھارا مال تقسیم کر دے۔ وہ تم سے جو کچھ مانگے دیدو اور بدمزاجی نہ کرو کیونکہ راز فاش ہو گیا ہے۔

جب محمد ابن مسلمہ مصر پہنچے تو عمرو نے اُن کے لئے نہایت پر تکلف دعوت کا انتظام کیا۔ لیکن محمد نے قبول نہ کیا اور کہا کہ "یہ نہایت برا ہدیہ ہے۔ اگر تم ویسا ہی معمولی کھانا لاتے جیسا کہ دوسرے مہمانوں کو کھلاتے ہو تو میں کھا لیتا۔ چلو یہ دسترخوان اٹھالو۔ مجبور ہو کر عمرو نے اپنا تمام مال محمد کے سامنے رکھدیا۔ انھوں نے نصف مال لے کر بیت المال میں رکھوا دیا۔

ابو ہریرہ کو بحرین کی حکومت پر مامور کیا گیا۔ ایک مدت کے بعد تنقیح کی گئی تو معلوم ہوا کہ بہت کچھ پیدا کیا ہے۔ اُن سے پوچھا کہ جب تم بحرین بھیجے گئے تو سوائے چپل کے تمھارے پاس اور کچھ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ تم نے نور اس گھوڑے چھ سو دینا

میں خریدے ہیں یہ رقم کہاں سے آئی۔

- کچھ نہیں میرے پاس گھوڑیاں تھیں انھوں نے بچے دیئے اور اس کے سوا جو مال تھا اُس میں زیادتی ہو گئی۔

- بہت اچھا۔ ہم تمھارا خرچ تو دیتے ہی ہیں۔ لہذا یہ سب مال جو زیادہ ہے بیت المال میں داخل کردو۔

- میں تو نہ دونگا۔

- خدا کی قسم تمھاری کمر توڑ دونگا۔ یہ کہکر عمر نے اپنے درے سے اس قدر ان کی پیٹھ پر مارا کہ خون بہنے لگا اور کہا کہ "چلو دو" جب ابو ہریرہ نے دیکھا کہ کچھ تدبیر نہیں ہے تو کہا۔

- اچھا "یہ بھی خدا کی راہ میں"

- واہ خوب بہتوتم اس وقت کہہ سکتے تھے کہ حلال سے پیدا کرکے خوشی سے دیا ہوتا۔ تم اتنی دور سے بحرین آئے ہو کہ لوگوں کا مال خود کھا جاو نہ خدا کو دو اور نہ مسلمانوں کو۔ تمھاری ماں میمہ نے سوائے گدھے چرانے کے اور کوئی کام تمھارے سپرد نہیں کیا۔[1]

پہلی شکستگی صدیق اور فاروق کے دور میں ابو ذر بہت لطف اُٹھا رہے تھے۔ اور اس زمانہ میں آزادی۔ خوش حالی۔ اور۔ انصاف دیکھکر خوش تھے۔ لیکن سنہ ۲۳ ہجری میں جب عمر ایک ایرانی جو ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے تو اُن کے اندرونی

تکالیف بھڑک اُٹھے اور وہ دور و دراز افکار میں مبتلا ہو گئے۔

ابوذر اُس عادل رعیت کو دوست رکھنے والے۔ اور ملت نواز حاکم کے مارے جانے سے بہت رنجیدہ ہوئے۔ یہ تکلیف دہ سانحہ بھی اُن کے عمال کی بدکاریوں کی وجہ سے پیش آیا۔ در آں حالیکہ عمر نے اپنی تمام کوشش اس میں صرف کی کہ اُن کے معین کئے ہوئے حکام رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں اور پاکدامن رہیں۔

ابوذر اس بڑی شاہنشاہی کے نتیجہ پر غور کر رہے تھے جس کی بنا عمر نے ڈالی اور جس کا سنگ بنیاد رکھنے میں ابوذر بھی اُن کے شریک تھے وہ ڈر رہے تھے کہ اس وقت مسلمانوں کو جو غیر معمولی فتوحات حاصل ہو رہے ہیں اور اسی کی بدولت بے انتہا دولت ہاتھ آ رہی ہے اور اس کی خاطر مسلمان قبائل عرب جزیرۃ العرب اور دوسرے ممالک میں سکونت اختیار کر رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ اسلامی مساوات کا تصور ان کے دماغوں سے نکل جائے جو اسلام کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ اور وہ اس سے بھی خائف تھے کہ ان مسلسل فتوحات سے جزیرۃ العرب اور اس کے باہر کے شہروں پر جو مسلمان قابض ہو رہے ہیں اگر بعض مسلم حکام ان پر ظلم کریں تو عرب کی بہادری کی روح مکہ اور مدینے سے نکل کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو جائے گی۔ اور عرب کی سیادت اُن کو مل جائے گی جو اس وقت اُن کے (عرب کے) زیر اثر ہیں۔

ابوبکر اور عمر کے دور خلافت میں مال گذاری کے وصول کے طریقہ میں فرق تھا

جزیہ و خراج ہر ایک کے کام اور پیشہ کے لحاظ سے لیا جاتا تھا بلکہ جزیہ کی مقدار اور اس کے وصول کے زمانہ کا تعین خلیفہ کے ملازمین کی رائے پر منحصر تھا۔ دراں حالنکہ ابتداءً وصول کا زمانہ قلیل تھا جس کی وجہ سے ملازمین کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ رقم اپنے مصرف میں لاسکیں اور جب چاہیں بیت المال میں داخل کردیں۔

عمر ابن خطاب اپنے ماتحتین کی روک تھام کرکے ان کو عدل و انصاف کی راہ پر چلنے کے لیے مجبور کرتے تھے۔ اگر کوئی حاکم اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرتا تو اس کو سزا دینے سے چشم پوشی نہ کرتے۔ باوجود اس کے ممکن نہ تھا کہ رعایا کا مال کھا جانے سے حکام کو بالکلیہ باز رکھیں۔ یہی وجہ تھی کہ بعض خاص حکام کافی مالدار ہوگئے تھے اور اس کا اثر اس بدبخت رعایا پر پڑ رہا تھا جو حکام کے دباؤ سے مجبور ہوکر برداشت کر رہے تھے اور بدنامی بیں وقت (خلیفہ) کے سر جا رہی تھی۔

منجملہ ان واقعات کے ایک ایرانی کارگیر فیروز کا واقعہ ہے جو حاکم کوفہ مغیرہ ابن شعبہ کی شکایت لے کر مدینہ آیا تھا لیکن بجائے شکایت کے خلیفہ کو مسجد میں قتل کردیا۔

(بحوالہ تاریخ بیداری عالم اسلام " بندلی جوزی ")

ابوذر کو اسلام کے اصول اور طریقۂ حکومت سے " جس کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ وہ بھی تشریک تھے۔ ایسا تعلق تھا کہ موجودہ صورت حال دیکھ کر ان کو فکر لاحق ہوئی اور اس کے تدابیر سوچنے لگے۔ اور ان کی پریشانی اس وقت اور بھی زیادہ ہوگئی جبکہ عمر نے

عثمان کو اپنا جانشین بنا دیا۔ گو عمر نے اپنے بعد خلافت کے لئے کسی کو نامزد نہیں کیا لیکن یہ کہا کہ "میرے بعد علی ابن ابی طالب۔ عثمان ابن عفان۔ سعد ابن وقاص۔ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ زبیر ابن العوام طلحہ ابن عبید اللہ اور عبداللہ ابن عمر (بشرطیکہ وہ خلیفہ نہ ہوں) مشورہ کریں۔ اگر ان میں دو گروہ ہو جائیں اور دونوں کی آراء برابر ہوں تو جس گروہ میں عبداللہ ابن عمر ہوں وہی کامیاب سمجھا جائے۔

عمر کے انتقال کے بعد ان سات اشخاص نے مجلس شوریٰ تشکیل دی۔ کسی نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے کہا کہ "تم رائے نہ دو اور ایسے شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرو جو سب سے زیادہ فاضل ہو۔ عبدالرحمٰن نے سب سے دریافت کیا کہ کس کو چاہتے ہو۔ بعض نے علی کا نام لیا اور بعض نے عثمان کا۔ عبدالرحمٰن نے علی سے کہا کہ "قسم کھاؤ کہ اگر خلیفہ ہو جاؤ گے تو قرآن پیغمبر کے احکام اور تم سے پہلے جو دو خلیفہ گزرے اُن کی سیرت پر عمل کرو گے، علی نے کہا کہ میں اپنے علم و قدرت کے مطابق کام کرونگا۔

عبدالرحمٰن نے عثمان سے کہا "کیا تم اس شرط پر راضی ہو۔ عثمان نے کہا "ہاں" عبدالرحمٰن اور دوسروں نے بھی اُن سے بیعت کر لی۔ ایسا نہ تھا کہ ابوذر نہ جانتے ہوں کہ اسلام میں عثمان کا کیا درجہ تھا اور ان کی پرہیزگاری۔ پرہیزگاری اور بخشش سے بے خبر ہوں۔ ہاں وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ عثمان اپنے اہل قرابت (بنی امیہ) کے زیر اثر ہو کر ان کو سب پر ترجیح دیں گے۔ سب سے زیادہ یہ کہ جب عثمان خلیفہ ہوئے ہیں تو کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور اس وقت ان کی عمر ۷۰ تک پہنچ گئی تھی۔

ابو ذر کی پریشانی اُس وقت اور بھی زیادہ ہوگئی جب کہ عثمان نے خلافت ملتے ہی پہلا خطبہ جو پڑھا تو انھوں نے اپنی سیاسی پالیسی کا مطلق اعلان نہیں کیا کہ اجرائے احکام میں کیا طریقہ اختیار کریں گے (یعنی) مستحقین کی حق رسی اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ کس طرح لیں گے۔ جیسا کہ ابوبکر اور عمر نے اس موضوع کو اپنی طرز حکومت کا عنوان قرار دیا تھا۔ انھوں (عثمان) نے چند ناصحانہ جملوں کے بعد حاضرین سے خواہش کی کہ "زاہدانہ طرز زندگی اختیار کریں"

ادھر عثمان تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور ادھر بنی امیہ نے سب کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لئے یہی واقعہ اس کا باعث ہوا کہ اکثر صحابہ اور مہاجرین اور ابوبکر و عمر کے چند اہل قرابت نے قبول نہیں کیا اور خلیفہ اور ان کے اقرباء کی مخالفت میں کھڑے ہوگئے۔ لیکن سب سے بڑی مخالفت وہ تھی جو ملت کے مختلف طبقات سے ظاہر ہو رہی تھی جس کی وجہ سے سرمایہ دار اور ملت کے وہ عوام جو حق رسی سے محروم ہوگئے تھے "ایک دوسرے سے دور جا پڑے۔

عثمان نے سرمایہ داروں کی مدد کی۔ انھوں نے قریش کے امراء کو اجازت دیدی کہ عراق۔ شام اور مصر جا کر املاک خریدیں اور عالی شان محل بنوائیں۔

طبری نے لکھا ہے کہ "عمر نے سختی کے ساتھ ممانعت کی تھی کہ امراء بیرون ملک بلا اجازت سفر نہ کریں۔ اور اگر جانا چاہیں تو سفر کی مدت معین کرکے اجازت حاصل کریں" اس سختی کی تاب نہ لا کر امراء نے شکایت کی جب عمر کو اطلاع ہوئی تو

انھوں نے کہا، "آگاہ رہو کہ میں اسلام کو اونٹ کے بچہ کی طرح لے چل رہا ہوں۔ جب اونٹ کا بچہ پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو نو سال کی عمر تک صحرا نوردی کرتا ہے اور نو سال کے بعد اُس میں گھٹاو شروع ہو جاتا ہے۔ اب اسلام میں گھٹاؤ شروع ہو گیا ہے۔ آگاہ رہو کہ قریش خدا کا مال اس کے بندوں سے لے کر اپنے ذاتی مصارف میں لانا چاہتے ہیں کیا خطاب کا بیٹا زندہ نہیں ہے میں ملت کے حقوق کا محافظ ہوں۔ میں قریش کی گردن اور کمر پکڑے رہوں گا اور ان کو آگ میں گرنے نہ دونگا۔"

لیکن جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عمر کا طریقہ اختیار نہ کیا قریش نے دیکھا کہ انکو کوئی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں ہے دوسرے ممالک میں جا کر وہاں کے لوگوں سے ربط پیدا کر لیا۔

اسلام میں جو مفلس تھے وہ اپنی اس حالت سے خوش نہ تھے (اس لئے) وہ اجنبیوں سے مل کر ان کی مدد کرنے لگے اور اپنے دل کو ڈھارس دے رہے تھے کہ یہ بادشاہ ہو جائیں گے اور اب ہم نے اُن سے آشنائی پیدا کر لی ہے۔ یہ پہلی سُستی تھی کہ اسلام میں پیدا ہوئی۔

مسعودی کہتا ہے کہ عثمان نے دیہات و زمینات اپنے اہل قرابت کو بطور جاگیر عطا کئے۔ خیبر کی مالگذاری پیغمبر نے مسلمانوں کو عطا کی تھی۔ ابوبکر اور عمر کے زمانہ میں بھی عام مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی (عثمان) نے مروان کو بخش دیا۔

اور آفریقہ کے خراج کا پانچواں حصہ بھی اوس کو دیدیا۔ شام کی مالگذاری معاویہ کو دی تھی وہ بھی سب کھا گیا اور مسلمانوں کو کچھ نہ دیا۔

اب عثمان کے زمانہ کے چند دولت مند صحابہ کے نام پڑھئے۔

زبیر! پچاس ہزار دینار (اشرفی) ایک ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار کنیز۔ ایک ہزار غلام۔ اور۔ بصرہ۔ کوفہ۔ قاہرہ۔ اور اسکندریہ میں مکانات تھے۔

طلحہ، عراق کے غلہ کی آمدنی روزانہ ایک ہزار دینار (اشرفی) تھی اور دوسرے مقامات سے اس سے زیادہ مل رہا تھا۔

عبدالرحمن۔ زبیری۔ زید ابن ثابت۔ مقداد۔ یعلی ابن امیہ۔ اور اکثر لوگوں کی آمدنی بھی اس کے لگ بھگ تھی۔ (مروج الذہب مسعودی صفحہ ۴۳۴ء ۲۲۳۔)

مسعودی نے عثمان کے مصاحبین کی فضول خرچی کی ایک طویل فہرست دیکر لکھا ہے کہ اگر عثمان کے زمانہ کے دولت مندوں کی پوری فہرست دی جائے تو یہ تفصیل بہت طویل ہو جائے گی دراں حالیکہ عمر کے زمانہ میں ایسا نہ تھا بلکہ راستے معلوم اور طریقے معین تھے۔ بے پناہوں کی فتح یہ بات ابوذر کو ناگوار ہوئی کہ عثمان بجائے علی کے خلیفہ ہو گئے اور جدید خلیفہ نے رعیت کے ساتھ جو طریقہ اختیار کیا یہی اُن کے شام کے سفر کا باعث ہوا۔ وہاں (شام) کے حالات دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے کہ وہاں کے لوگ دو گروہ میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک فضول خرچ سرمایہ دار۔ دوسرے فقرا جو مٹی پر پڑے ہوئے ہیں۔ "دو گروں" وہ زینات کہ جس میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں اور جنگ کا

مال غنیمت جو مسلمانوں میں علی السویہ تقسیم ہونا چاہیئے تھا۔ معاویہ اور ان کے اہل قرابت
نے ہضم کر لیا اور مجاہدین اس سے محروم کر دیئے گئے۔

ان میں عرب کے اُن غنڈوں کو اکثریت تھی جو کہتے تھے کہ (فئی) خدا کا مال
ہے و مجاہدین صرف مزدوری پانے کے مستحق ہیں جو اُن کو ادا کر دی جاتی ہے۔"

جب ابوذر نے دیکھا کہ بعضوں کے لبوں پر جان ہے اور بعض نے کافی دولت
جمع کر لی ہے انھوں نے مخالفت شروع کی۔ یا اس سے بہتر الفاظ میں۔ انھوں نے
اس لئے مخالفت شروع کی کہ ایک گروہ دولت مند اور ایک جماعت مفلس کیوں ہے۔
اس مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخالف گروہ بننے لگے اور وقت کے لحاظ سے اپنی ناراضی کا
اظہار اور حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔

ابوذر پیغمبر کی مسجد میں قرآن کریم کی آیتیں پڑھتے تھے خصوصاً یہ آیۃ بار بار
دہراتے تھے "والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها
فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم۔ یوم یحمی علیها فی
نار جهنم فتکوی بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا
ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون" (ترجمہ) جو لوگ
سونا اور چاندی ذخیرہ کرکے راہ خدا میں نہیں دیتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دو
جبکہ اس سونے اور چاندی کو تپا کر ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ
داغ دیں گے یہی وہ چیز ہے جو تم نے ذخیرہ کی تھی اب اس کا مزہ چکھو۔
ابوذر نے اس قدر یہ آیات و روایات پڑھے کہ جن کے حقوق پامال ہوئے تھے

سب ان کے شیفتہ ہو کر ان کے اطراف جمع ہو گئے۔ اور فضول خرچ ظالم ان سے ڈرنے لگے۔

حبیب ابن مسلمہ فہری نے معاویہ سے کہا کہ" بہت بڑا فتنہ رونما ہو گیا ہے۔ ابوذر اہل شام کو تمھارے خلاف بھڑکا رہے ہیں اگر تم شام کی حکومت چاہتے ہو تو اس کی کچھ تدبیر کرنا چاہیئے۔

معاویہ نے ابوذر کو مصروف رکھنے کے لئے ارض روم اور جزیرۂ قبرص کی جنگ پر اُن کو روانہ کر دیا لیکن بہت جلد فتح و کامیابی کے ساتھ واپس ہو گئے۔ اور ابوذر نے پھر وہی جنگ شروع کر دی جو سرمایہ داروں سے انھوں نے شروع کی تھی۔

ابوذر کہتے تھے" میں دیکھ رہا ہوں کہ حق پامال اور باطل زندہ ہو رہا ہے سچوں پر ملامت ہو رہی ہے اور بے پروا آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور پرہیزگار دھتکارے جا رہے ہیں۔

جب معاویہ نے سبز محل بنوایا تو ابوذر نے ایک شخص کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ" اگر تم نے یہ محل خدا کے مال سے تعمیر کیا ہے تو خیانت کی اور اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو اسراف ہے۔"

معاویہ کہتے تھے کہ" مسلمانوں کا بیت المال خدا کا مال ہے۔ ابوذر کہتے تھے کہ سب خدا کا مال ہے لیکن معاویہ چاہتے ہیں سب خود کھا جائیں اور مسلمانوں کا نام بھی اڑا دیں۔"

ایک روز معاویہ کے پاس جاکر ابوذر نے کہا کہ "اے معاویہ کیس بنا پر کہہ رہے ہو کہ مسلمانوں کا مال خدا کا مال ہے"!

خدا تم کو بخشے کیا ہم خدا کے بندے نہیں ہیں اور یہ مال خدا کا مال ہے۔ اس طرح نہ کہو" مسلمانوں کا مال (فئی) مسلمانوں کا حق ہے اور تم اس میں سے کچھ بھی جمع رکھنے کا حق نہیں رکھتے۔ لیکن تم نے ابوبکر و عمر کے خلاف ملک کے اپنے اور بنوامیہ کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ اے معاویہ تم نے مال داروں کو غنی کر دیا اور فقراء کو بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیا"!

معاویہ نے ابوذر کو راضی کرنے کے لئے بہت سی چالیں چلیں۔ ایک روز تین سو دینار (اشرفی) بھیجے۔ لانے والے سے ابوذر نے کہا کہ "اگر میرا وہ ذاتی حق ہے جس سے میں محروم کیا گیا ہوں تو لیتا ہوں اور اگر یہ انعام ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے"۔ یہ کہہ کر واپس کر دیا۔

ایک روز معاویہ نے ابوذر کو بلوایا اور ان سے خواہش کی کہ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ابوذر نے قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ "سرمایہ دار شکایت کرتے ہیں کہ میں فقراء کو ان کے خلاف بھڑکا رہا ہوں"۔ میں ان سرمایہ داروں سے کہتا ہوں کہ کیوں مال اکٹھا کرتے ہو اور خدا (عوام کو نفع پہنچانے) کے لئے خرچ نہیں کرتے جب کہ خدا ان سے کہہ رہا ہے کہ "جو سونا چاندی جمع کرنے والے خدا کی راہ میں نہیں دیتے ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو"۔ میں تو ان سے یہ

کہہ رہا ہو بلکہ جو تمہارے مصرف سے بچ جائے وہی فقراء کو دیدو۔ فقراء کا یہ
حق سرمایہ داروں کی گردنوں پر ہے"۔ اور خدا کہتا ہے کہ "تمہارے مال میں
فقراء و مساکین کا حق ہے۔

معاویہ نے ابوذر کو اپنے گھر سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ "کوئی ان سے نہ ملے۔
لیکن کسی نے تعمیل نہ کی۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ جلام ابن جندب کہتے ہیں کہ "میں
قنسرین اور دوسرے شہروں پر معاویہ کی جانب سے مامور تھا۔ ایک روز
سرکاری کام سے معاویہ کے پاس پہنچا میں نے دیکھا کہ ایک شخص دروازہ پر
کھڑا ہوا زور زور سے چلا رہا ہے کہ "آگ کے بوجھ تمہارے لئے آتے ہیں۔ جو نہی
عن المنکر نہ کرے خدا اس پر لعنت کرے اور جو امر بالمعروف نہ کرے خدا اس پر لعنت
کرے"۔ معاویہ کا رنگ بدل گیا اور خوف ان پر غالب تھا۔ مجھ سے کہا کہ "اے
جلام کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو جو اس وقت چلا رہا ہے"۔ میں نے کہا کہ "نہیں"
معاویہ نے کہا کہ "کون مجھے جندب ابن جنادہ کے ہاتھ سے چھٹکارا دلائے گا
ہر روز اسی وقت آکر جو تم نے سنا چلا کر کہتا ہے۔ اس کو میرے سامنے لاؤ۔"
چند آدمیوں نے ابوذر کو کشاں کشاں لاکر معاویہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔

معاویہ نے کہا "اے دشمن خدا ہر روز ہمارے وقت پر آکر یہی کام
کرتا ہے اگر میں محمد کے کسی صحابی کو عثمان کے بغیر اجازت قتل کرتا تو وہ تو ہوتا میں

تیرے لئے عثمان سے اجازت لیتا ہوں"۔

جلام کہتے ہیں میں چاہتا تھا کہ ابوذر کو دیکھوں اس لئے کہ وہ میرے قبیلہ سے تھے جب ان پر نظر پڑی تو ایک گندمی رنگ کے شخص کو دیکھا دبلا پتلا پیٹھ جھکی ہوئی معاویہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں خدا اور پیغمبر کا دشمن نہیں ہوں۔ تو اور تیرا باپ خدا اور پیغمبر کے دشمن تھے جو بظاہر مسلمان ہوئے اور باطن میں کافر تھے"۔

صنعا کا باشندہ عبداللہ ابن سبا نامی دمشق میں رہتا تھا جو مسلمانوں کے سکونتی مقامات پر جا کر ابوذر کے تصورات (عدالت حق) کی تبلیغ کرتا تھا عبداللہ نے ابوذر سے کہا کہ "جبری سیاست اور مال جمع کرنے کی وجہ سے اس علاقہ کے باشندے بہت ناراض ہیں۔ یہ سنکر ابوذر اپنے ارادہ میں اور بھی مستحکم ہو کر تبلیغ میں شدت کرنے لگے۔ فقراء اور حاجت مند بھی زیادہ سے زیادہ جمع ہونے لگے یہاں تک کہ سرمایہ داروں کو ستانا شروع کیا (تاریخ اسلامی تالیف ڈاکٹر حسن ابراہیم ج ۱ صفحہ ۲۴۷) اس لئے سرمایہ دار بھی ابوذر کو دھمکانے لگے۔ ابوذر نے کہا کہ "بنی امیہ افلاس اور قتل سے ڈراتے ہیں۔ میرے لئے زمین کے اوپر رہنے سے زمین کے نیچے رہنا ہی بہتر ہے میں فقراء کو دولت مندوں سے زیادہ دوست رکھتا ہوں"۔ ابوذر کی تبلیغ روز بروز ترقی کر رہی تھی یہاں تک کہ لوگوں کے دماغوں میں انقلاب کا مادہ جمع ہو گیا اور قریب تھا کہ

پھوٹ پڑے۔

معاویہ ایک وقت نماز جمعہ کے بعد منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ کہا "مال ہمارا مال ہے اور "فی" ہمارا "حق" ہے۔ ہم جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے نہیں دیتے۔" اسی وقت ایک معمولی شخص نے چلا کر کہا۔ "ایسا نہیں ہے مال ہمارا مال اور "فیٔ" ہمارا "حق" ہے جو شخص ہم کو ہمارے حق سے محروم کرے ہم اس کو تلوار سے خدا کے پاس بھیج دیں گے۔ جہاں ہمارا اور اس کا فیصلہ ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا لوگ تعجب سے اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ (اور) بار بار حاضرین کی نظریں اُس کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ معاویہ نے سمجھ لیا کہ یہ ابوذر کی تبلیغ کا اثر ہے جس نے خطرناک صورت پیدا کر دی۔ اگر میں اس کہنے والے کو ذرا سی بھی سزا دوں گا تو لوگوں کے سینوں میں جو انقلاب کی آگ بھڑک رہی ہے وہ ظاہر ہو جائے گی جس کا نمونہ اس شخص کی گفتگو سے ظاہر ہو چکا ہے۔ مسکرا کر کہا "اس شخص نے مجھے زندہ کیا خدا اس کو زندہ کرے میں نے پیغمبر سے سنا ہے حضرت فرماتے تھے "میرے بعد فرمان روا پیدا ہوں گے جن کا حکم رد ہونے والا نہیں ہے (یعنی اُن کا حکم واجب التعمیل ہوگا) یہ لوگ بے سمجھے بوجھے اپنے آپ کو مثل بندروں کے آگ میں ڈال رہے ہیں۔"

معاویہ نماز کے بعد گھر میں گئے اور قریب تھا کہ غصہ اور حسد سے دماغ پھٹ جائے۔ عثمان کو لکھا کہ "ایک گروہ ابوذر کے اطراف جمع ہو گیا ہے۔

دن رات ان ہی کے ساتھ رہتے ہیں۔ ابوذر مجھے کام نہیں کرنے دیتے مجھے اطمینان نہیں ہے کہ آپ بھی ان سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر آپ کو اہل شام کی ضرورت ہے تو ابوذر کو بلا لیجئے۔ کیونکہ انہوں نے شامیوں کو آپ سے بدگمان کر کے ان کے دلوں میں آپ کی عداوت پیدا کر دی ہے۔ وہ (شامی) سوائے ابوذر کے اور کسی سے مشورہ نہیں کرتے اور سوائے ابوذر کے ان پر کوئی حکومت نہیں کر سکتا۔"

عثمان نے جواب میں لکھا "یہ فتنہ بالکل آشکار ہو چکا ہے صرف چھیڑنے کی دیر ہے تم اس بدزخم کا منہہ نہ کھولو۔ ابوذر کو ایک نہایت شریر اونٹ پر سوار کر کے ایسے شخص کے ہمراہ روانہ کرو جو ان پر بہت سختی کرے۔ لوگوں سے کچھ غرض نہ رکھو تم جب تک خاموش ہو وہ بھی خاموش رہیں گے"۔

اس جواب سے معاویہ کی جان میں جان آگئی۔ فوراً حکم دیا کہ "ابوذر کو ایسے اونٹ پر سوار کیا جائے کہ جس کی پشت پر صرف لکڑی کا پالان ہو (وہ زین کہ جس پر کپڑا ہو اور نہ چمڑا) اور پانچ سرخ پوست سپاہی ان کے ہمراہ ہوں" جب ابوذر روانہ ہونے لگے بہت سے لوگ ان کے اطراف جمع ہو گئے اور چاہا کہ ان کو نہ لے جانے دیں۔ ابوذر نے ان کو مخاطب کر کے کہا "لوگو میں تم کو ایسی نصیحت کرتا ہوں کہ جس پر عمل کرنے سے تمہارا فائدہ ہے۔ میں فساد اور اختلاف نہیں چاہتا۔ خدا کا شکر کرو (حاضرین نے کہا۔ الحمدللہ) ابوذر نے کہا

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد عبدہ ورسولہ" حاضرین نے بھی ان کلمات کا اعادہ کیا۔ لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ قیامت۔ بہشت۔ دوزخ اور جو کچھ خدا کی جانب سے آیا ہے وہ سب سچ ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں اور تم اس کے شاہد رہو" (حاضرین "ہم گواہ ہیں") خدا و رسول کی خوشنودی کا پیغام اس شخص کو مبارک ہو جو اس عقیدے پر مرے۔ لیکن جبکہ وہ گنہگاروں کا طرفدار اور ظالموں کا مددگار نہ ہو۔ جب لوگ خدا کی زمین پر اس کی نافرمانی کریں۔ تم جس طرح نماز پڑھتے ہو روزہ رکھتے ہو اسی طرح اس معصیت سے نفرت کرو۔ دیکھو خدا کی ناراضی پر اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی رضامندی و خوشنودی کو ترجیح نہ دو"۔ اگر ان سے کوئی برائی دیکھو تو دوری اختیار کرو۔ چاہے اس کی وجہ سے تم کو قید و بند کی تکلیف میں مبتلا یا اپنا وطن چھوڑنا پڑے خدا سب سے بلند و برتر اور لائق پیروی ہے۔ بندہ کی خوشنودی کے لئے خدا کو ناخوش کرنا ہرگز سزاوار نہیں"۔

داد خواہ راستہ بہت لانبا۔ اور گرمی کی شدت نے ابوذر کو پریشان کر دیا تھا۔ لکڑی کے پالان نے ابوذر کی دونوں رانوں کا گوشت نکالدیا۔ یہ وہی پالان تھا جو ابوذر کو شام سے مدینہ پہنچانے کے لئے لاغر اونٹ کی پشت پر رکھا گیا تھا۔

جس طرح کشتی خطرناک موجوں کو چیرتی ہے یہ اونٹ بھی چلتی پھرتی ریگ بے آب و گیاہ صحرا اور خشک بیابان کے موڑ توڑ طے کر رہا تھا۔ اونٹ اور اونٹ کا

سوار دونوں تھک گئے تھے کیونکہ سنگ دل نگہبانوں نے مہلت نہ دی اور نہ اتنا موقع دیا کہ سایہ میں چلیں۔ وہ اس لئے شب و روز چلنے پر مجبور کر رہے تھے کہ ابوذر کے طرف داروں اور ان مظلوم قبائل کو جو ان ظالموں کے ظلم سے دبے جا رہے تھے۔ ابوذر کی شہر بدری کی اطلاع ہونے سے پہلے اس بوڑھے سرکش کو مدینہ پہنچا دیں۔

بوڑھے نے بہت دور تک اس وسیع صحرا پر نظر ڈالی اور نظر کے ساتھ اپنے تصورات بھی بطور بدرقہ کے چاروں جانب دوڑائے۔ اس کے چہرہ سے شجاعت، زندگی، کارکردگی۔ پاک دامنی۔ اور تقوی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا۔ یہ مصیبت کس لئے۔ کیا میں حق پر ہوں یا باطل پر؟"

اس موقع پر عالم خیال میں افق کے کنارہ اپنے محبوب پیغمبر کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جو محبت کی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے کہہ رہے ہیں۔ "ابوذر حق کی راہ میں کس قدر بلائیں تجھ پر پڑیں گی۔ ابوذر حق کہنا اگرچہ تلخ ہو۔ حق کی راہ میں کسی کے طعن سے نہ ڈرو۔" اس وقت ان کا سینہ کھلتا تھا اور اطمینان کی سانس لے کر پیغمبر کی ان نصیحتوں کو یاد کر رہے تھے جو ان سے اور دوسرے اصحاب سے کہا کرتے تھے۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں اور خدا کو تم پر جانشین کرتا ہوں۔ تم کو خدا سے ڈراتا ہوں۔ میں تم کو خدا سے ڈرانے والا ہوں۔ خدا کے ملک اور اس کے بندوں کے بھروسہ پر خدا سے گستاخی نہ کرو۔ خدا نے تم سے اور مجھ سے کہا ہے کہ "آخرت کی نیکیاں ان کے لئے ہیں جو زمین پر فتنہ و فساد نہیں کرتے۔ یہ نیکیاں پرہیزگاروں کیلئے ہیں۔"

بوڑھا مسافر اطراف کی زمینوں سے شمیم اطمینان کی بو سونگھ رہا تھا۔

آسمان صاف اور خدا کی رحمت کار فرما۔ بوڑھے کی زبان پر خدا و رسول کے ارشادات جاری اور دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ حکام و ملازمین خود سری کر کے خدا کے بندوں کا رزق ذخیرہ کر رہے ہیں اس کا مقصد کیا ہے۔ کیا ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ہم غربا سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں۔ حالانکہ ان بیچاروں غربا نے اسلام کی آواز لوگوں کے کانوں تک پہنچائی اور اپنے قوی بازوؤں سے اسلام کی مدد کی۔

جب کہ افسر کار ابوذر کو ایک طرف سے دوسری طرف لے جا رہے تھے وہ اپنے دل سے پوچھ رہے تھے کہ "یہ مغرور متکبر کیوں اپنے آپ کو اور اپنے اہل قرابت کو ہم پر حاکم سمجھ رہے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایک روز میں نے بلال کو طعن سے کہا کہ "تمھاری ماں عرب نہیں ہے"۔ انھوں نے میری شکایت کی۔ پیغمبر نے مجھے بلا کر سرزنش کی اور کہا" ابوذر تم اُن گوروں اور کالوں سے اگر بہتر ہو تو فقط عمل کی وجہ سے" یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ کیوں اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھ رہے ہیں۔ کیوں اس رزق پر قبضہ کر رہے ہیں جس کو حاصل کرنے میں خود انھوں نے کوئی زحمت نہیں اٹھائی۔ قرآن میں خدا نے کہا ہے" لیس للانسان الا ماسعیٰ" (ترجمہ) انسان کا اُس میں کوئی حصہ نہیں ہے جس کے حاصل کرنے میں وہ کوشش نہ کرے۔

کیوں یہ لوگ بے سوچے سمجھے ذخیرہ کرتے ہیں کہ وہ مال حلال سے حاصل ہوا ہے یا حرام سے دراں حالیکہ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ "جو شخص اس پر غور نہ کرے کہ کہاں سے مال حاصل کیا ہے خدا بھی اس پر غور نہیں کرتا کہ کس راستہ سے اس کو جہنم میں داخل کرے۔

کیوں اس مال کو نیکی یا عوام کے فائدہ کے لئے خرچ نہیں کرتے جب کہ اس طرح خرچ نہ کرنے والوں کو خدا نے عذاب دردناک سے ڈرایا ہے۔

کیوں یہ غلام و کنیز روز بروز زیادہ ہو رہے ہیں درانحالیکہ قرآن ان کو شوق دلا رہا ہے کہ جس طرح ہو سکے اون کو آزاد کرو۔ کیوں یہ بے چارے (غلام و کنیز) اس قدر ظلم سہہ رہے ہیں۔ دھتکے کھا رہے ہیں جبکہ پیغمبر نے کہا ہے کہ "تم جو کھاؤ اور جو پہنو وہی ان کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ۔"

یہ خیالات ابوذر کے دلی رنج و غم کو ابھار رہے تھے لیکن جس مقدس جہاد کا ارادہ انہوں نے کر لیا تھا (یعنی حق کی راہ میں جہاد اور انصاف کو برقرار رکھنا) اس کو مستحکم کر لیا۔

اسی وقت آفتاب کی خونیں شعاعیں مدینہ پیغمبر کے آخریں نقطہ افق کو روشن کر رہی تھیں (جب کہ آفتاب مغرب کی طرف جا رہا تھا) شہر نظر آیا اور ساتھ ہی ایک آواز سنائی دی گویا وہ ایک قافلہ سالار کی آواز تھی جو راستہ کے بیچ و خم سے موقع پر اہل قافلہ کو آگاہ کرتا ہے کہ اطمینان و ہمت کے ساتھ قدم جمائے ہوئے آگے بڑھو! یہ آواز تھی "اللہ اکبر"

اس وقت ابوذر ان مکانوں تک پہنچ گئے تھے جہاں سے شہر کی آبادی شروع ہوتی ہے۔ اونٹ بھی چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نگاہ بان اس منہ بند حیوان کو لکڑی سے مار کر جلد چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ جس گھر کے قریب پہنچتے اذان

کہنے والوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ گویا لوگوں کو آفتاب غروب ہونے کی اطلاع دے رہے ہیں اور نہایت اطمینان وثبات کے ساتھ کہہ رہے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَر۔

ابوذر نے اس قدر اذان کہی اور سنی تھی کہ ان کو اذان سے انس ہو گیا تھا۔ لیکن اس وقت یہ کلمہ۔ ایسا کلمہ کہ جس نے سرکشوں کے تخت کو الٹ دیا اور ظالموں کے دل لرزنے لگے۔ ان افکار کے ساتھ جو ابوذر کے دماغ میں گردش کر رہے تھے ایک خاص تعلق رکھتا تھا جیسا کہ وہ تصور کر رہے تھے کہ یہ کلمہ آہ ونالہ کے نغموں پُرلطف۔ اتار چڑھاؤ اور پاٹ دار آواز کے ساتھ آسمان سے ان کے دل اور کانوں تک پہنچ کر لرزہ براندام کرتے ہوئے کامل اطمینان دلا رہا ہے خدا سرکشوں اور ظالموں سے بڑا ہے۔ اس وقت ابوذر نے سمجھا کہ انھوں نے جو مقابلہ شروع کیا ہے ہر طرح درست ہے۔ اس وقت لاغر اونٹ پر بیٹھے ہوئے انہوں نے اس طرح اپنی کمر سیدھی کی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک (فوجی) افسر نے حملہ کے لئے جو نقشہ سوچا تھا بالکل ٹھیک ثابت ہوا اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔

مدینہ کے باہر کوہ "سلع" تک پہنچ کر ابوذر نے دیکھا کہ شہر کے لوگ پہاڑ کے دامن میں جمع ہیں انہوں نے تین مرتبہ ان سے کہا "مدینہ کے لوگوں کو لوٹ مار۔ پراگندگی۔ اور سخت تباہ کرنے والی جنگ کی خوشخبری دو۔"

اسی حالت سے وہاں تک پہنچے جہاں عثمان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی عثمان نے کہا۔ خدا عمر کو اپنے قریب نہ کرے۔

- خدا کی قسم میرے ماں باپ نے میرا نام عمر نہیں رکھا ہے۔ لیکن خدا اس کو نزدیک نہ کرے جو اس کی نافرمانی کرکے اپنے نفس کی ہوا و ہوس کی پیروی کرتا ہے۔

- تونے ایسا اور ویسا کیا ہے۔

- میں نے تم کو اور تمہارے ساتھی (معاویہ) کو نصیحت کی ہے لیکن دونوں سمجھ رہے ہیں کہ میں دھوکہ دے رہا ہوں۔

- لیکن تم فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو۔ تم فتنہ چاہتے ہو۔ تم نے اہل شام کو ہماری مخالفت پر آمادہ کیا ہے۔

- اپنے دو رفقا (ابوبکر و عمر) کی پیروی کرو۔ پھر کوئی تم پر نکتہ چینی نہیں کریگا۔

- بے ماں کے بچے تجھے ان باتوں سے کیا کام ہے۔

عثمان سے بہت گالیاں سننے کے بعد ابوذر نے کہا، خدا کی قسم میں نے سوائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔

- پھر کیوں لوگ تمہاری بدزبانی کے شاکی ہیں۔

- شامیوں کو مجھ سے شکایت نہیں ہے۔ ہاں ایک مختصر سا گروہ دولت اور غلہ ذخیرہ کرکے مستحقین اور حاجت مندوں کو نہیں دے رہا ہے وہی میرا مخالف ہو گیا ہے۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ اپنا حق تم لو اور دوسروں کا حصہ اُن کو پہنچا دو۔ بس یہی بات ان کو بری لگتی ہے۔ عثمان نے کہا کہ "کیا وہ حرام کا مال کھانا چاہتے ہیں۔

ایک مرتبہ عثمان نے چلا کر کہا "مجھ سے کہو کہ میں اس جھوٹے بڈھے کے ساتھ کیا کروں۔ اس کو قتل کر دوں۔ پیٹوں یا اس کو سلطنت اسلامی سے باہر نکال دوں۔ اُس نے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے"

علیؑ ابن ابی طالب نے کہا کہ "میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو مومن آلِ فرعون نے کہی تھی۔ ابوذر کو چھوڑ دو۔ اگر جھوٹ کہتے ہیں تو اس کا خمیازہ وہی بھگت لیں گے۔ اور اگر سچ کہہ رہے ہیں تو اِن میں سے بعض کی ذمہ داری تم پہ عائد ہوتی ہے۔ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اِس سے بڑھ کر میں نے خود پیغمبر سے سنا ہے۔ "درختوں نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے اپنی پشت پر ابوذر سے زیادہ سچ کہنے والا نہیں اُٹھایا۔"

عثمان غضبناک ہو گئے۔ یہاں تک کہ اُن میں اور علیؑ میں جھگڑا ہو گیا۔ عثمان نے سخت تاکید کر دی کہ ابوذر سے کوئی نہ ملے کوئی اُن سے بات کرے اور نہ فتویٰ پوچھے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ لوگ اُن کے پاس جمع ہو گئے مسلسل فتوے جاری ہوتے گئے۔

ابوذر کہتے تھے "خدا کی قسم اگر میرے گلے پر تلوار رکھ دی جائے اور مجھے اطمینان ہو کہ میرا سر جدا ہونے سے پہلے میں ایک کلمہ بھی کہہ سکوں جو میں نے پیغمبر سے سنا ہے تو ضرور کہوں گا۔"

عثمان نے کہلا بھیجا کہ "وہ آیات و احادیث بیان نہ کرو جو فقراء کو مالداروں کے خلاف اُبھارتے ہیں" ابوذر نے کہا کہ "عثمان مجھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

اور جو خدا کے احکام پر عمل نہیں کرتا اُس کو ٹوکنے سے روکتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر عثمان کو ناراض کر کے خدا کو راضی رکھوں تو اس سے بہتر ہے کہ خدا کو ناراض کر کے عثمان کو راضی رکھوں۔"

عثمان نے ابوذر کا دل لینے (خوش کرنے) کے لئے دو سو دینار (اشرفی) دو غلاموں کے ذریعہ سے روانہ کئے۔ اور کہا۔ ابوذر سے کہو یہ دو سو دینار لے کر اپنے پیروں کو دیدو۔" جب یہ رقم پیش کی گئی تو ابوذر نے کہا "کیا اتنی ہی رقم ہر ایک مسلمان کو دی گئی ہے؟" غلام نے کہا "نہیں"

"میں بھی ایک مسلمان ہوں جس قدر مجھے دیا جا رہا ہے اُسی قدر ہر ایک مسلمان کو ملنا چاہیئے۔"

عثمان نے کہا "یہ میری ذاتی رقم ہے۔ خدا کی قسم اس میں بالکل مال حرام مخلوط نہیں ہے اور میں تمھارے لئے مال حلال ہی بھیجتا ہوں۔"

"مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ آج میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔"

"خدا تم کو اچھا رکھے ہم اس وقت تمھارے گھر میں کچھ بھی نہیں دیکھ رہے ہیں نہ کم اور نہ زیادہ۔"

"یہ تو کر دی جو تم دیکھ رہے ہو اس میں چند روز سے ایک جو کی روٹی رکھی ہوئی ہے پھر میں یہ رقم لے کر کیا کروں۔" یہ کہکر رقم واپس کر دی۔ عثمان نے کئی مرتبہ اسی طرح بھیجا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا (ابوذر نے قبول نہ کیا) ایک روز ایک غلام کو سو دینار دے اور کہا کہ "ابوذر کے پاس لے جا اگر وہ قبول کریں تو تو آزاد ہے۔" غلام نے وہ

دینار پیش کیے لیکن ابوذر نے قبول نہ کیا۔ غلام نے کہا کہ "میری آزادی اس پر منحصر ہے کہ آپ یہ رقم قبول کر لیں"۔

"ہاں اگر میں قبول کر لوں تو تو آزاد ہو جائے گا لیکن میں غلام بن جاؤں گا۔

ایک روز عثمان نے اُن کو (ابوذر کو) بلایا اور چاہا کہ اُن کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ ابوذر جب وہاں پہنچے تو کعب الاحبار اور کچھ لوگ عثمان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ عثمان نے کہا کہ "اے ابوذر تم کب اپنے ان کاموں سے دستبردار ہو گے"!

"جب تک کہ فقراء کا حق مالداروں سے نہ دلا دوں"۔

عثمان نے حضار سے مخاطب ہو کر کہا "اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا اُس کے ذمہ کسی کا حق رہ سکتا ہے" کعب نے کہا "نہیں اے امیر المومنین۔ اگر اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر وہ ایسا محل تعمیر کرے کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہو تو اس کے ذمہ کچھ بھی واجب الادا نہیں ہے"۔

ابوذر نے اپنی عصا سے کعب کے سینہ پر مار کر کہا "جھوٹ کہتا ہے" اور یہ آیت پڑھی۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملائکۃ والکتاب والنبیین واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا

والصّابرین فی الباساء والضرّاء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون"۔ (ترجمہ) نیکی یہ نہیں کہ اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ نیک کام کرنے والے وہ ہیں جو خدا اور قیامت اور ملائکہ اور قرآن اور پیغمبر پر ایمان لائیں اور محض خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال اپنے (یا پیغمبر کے) اہل قرابت کو دیں (اس مقام پر ذوی القربیٰ سے دونوں مراد لئے ہیں) اور یتیموں اور بے خانماں لوگ اور وہ مسافر جو عالم مسافرت میں نادار ہو گئے ہوں اور فقراء اور کنیز و غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے دیں۔ اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور جو وعدہ کر کے وفا کرتے ہیں اور جو تنگدستی اور بیماری اور جنگ کے وقت سختیاں برداشت کرتے ہیں یہی لوگ سچے اور متقی ہیں (۱۷۵ سورہ بقر۔ مترجم فارسی)

اس کے بعد کہا "اے کعب کیا تو نہیں دیکھتا کہ زکوٰۃ دینے اور ذوی القربیٰ و یتامیٰ و فقراء اور کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں فرق دکھلایا ہے اور ان کو زکوٰۃ پر مقدم کیا گیا تو نہیں دیکھتا کہ مال جمع کرنے کی ممانعت اور نیک کام میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے"۔

کعب نے اصرار سے کہا کہ "جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دے اس کے ذمہ کچھ نہیں ہے"۔ ابوذر نے پھر اپنی عصا سے اس کے سینہ پر مار کر کہا "اگر کوئی شخص کسی کے مال پر غاصبانہ قبضہ کر لے اور بغیر استحقاق کے کسی کا حق لے لے پھر وہ مال جس پر غاصبانہ قابض ہوا۔ اور وہ حق جو بلا استحقاق لوگوں سے چھینا ہے اس کی زکوٰۃ دے تو کیا تو ایسے شخص کو مسلمان سمجھتا ہے کہ اس نے وہ واجبات ادا کر دئے جو اس کے ذمہ تھے۔

پھر کہا اور (عثمان کے گھر سے باہر نکل گئے۔

دوسرے روز عثمان کے گھر پہنچے۔ دیکھا ایک لاکھ درہم ان کے سامنے رکھے رکھے ہوئے ہیں جو مختلف مقامات سے اُن کے لئے لائے گئے تھے۔ لوگ اُن کو گھیرے ہوئے رقم پر آنکھ لگائے اس طمع میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان یہ رقم اُن کو تقسیم کر دیں گے۔

ابوذر نے کہا" یہ رقم کیسی"

"ایک لاکھ درہم جو مختلف مقامات سے میرے لئے لائے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس میں اور ایک لاکھ درہم شامل کر کے اس کے متعلق غور کروں گا" لوگوں کو دیکھ کر۔

"کیا امام اس شرط پر یہ مال بطور قرض لے سکتا ہے کہ جب اس کے پاس رقم آئے تو ادا کر دے۔"

ابوذر نے کہا" نہیں ایسا نہیں ہوسکتا"

کعب نے کہا کوئی روک نہیں ہے"

ابوذر نے "اے ناشائستہ کیا کہہ رہا ہے" اور اپنی عصا سے اس کے سینہ پر مارا (مروج الذہب" ج ا صفحہ ۴۲۸) اور عثمان سے کہا "کیا ایک لاکھ درہم زیادہ ہیں یا چار دینار۔"

"چار دینار"

"عثمان! یاد ہے کہ میں اور تم پیغمبر کے پاس گئے۔ پیغمبر مغموم و محزون تھے ہم نے سلام کیا لیکن ہمیشہ کے بر خلاف کشادہ پیشانی کے ساتھ آپ نے جواب نہیں دیا۔ دوسرے روز ہم نے جا کر سلام کیا۔ آپ خوش و مسرور تھے۔ ہم نے سبب پوچھا تو آپ نے کہا

مسلمانوں کے مال میں سے چار دینار تقسیم نہ کر سکا اور وہ میرے پاس رہ گئے۔ مجھے خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں مر جاؤں اور وہ میرے پاس رہ جائیں آج میں نے تقسیم کر دئے اور بے فکر ہو گیا۔" عثمان تم اور تمھارے مصاحبین کیا کہتے ہیں اور پیغمبر نے کیا کہا۔"
عثمان نے ڈانٹ کر کہا۔" ابوذر تم بڈھے ہو گئے سٹھیا گئے ہو۔ اگر تم پیغمبر کے صحابی نہ ہوتے تو تم کو قتل کر دیتا" ابوذر بغیر کسی انتظار کے باہر نکل آئے۔

شہر بدری

مہینے گزر گئے نہ تو ابوذر کسی کے پاس بیٹھتے تھے اور نہ کسی کے گھر جاتے تھے۔ مسجد میں تمام دن نماز میں بسر کرتے۔ خاموشی کے ساتھ سوچتے رہتے اور کسی سے بات نہ کرتے (البتہ) اگر کوئی شخص مسئلہ پوچھتا تو جواب دیدیتے۔ یہاں تک کہ ایک روز عبدالرحمٰن ابن عوف کا متروکہ عثمان کے پاس لایا گیا۔ مال اس قدر زیادہ تھا کہ کافی جگہ گھر گئی تھی عثمان نے کہا" میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحمٰن کی عاقبت بخیر ہوئی کیونکہ اُس نے صدقہ دینے اور مہمان نوازی کے بعد اتنا مال چھوڑا جو دیکھ رہے ہو!"
کعب الاحبار نے کہا" عبدالرحمٰن نے حلال سے کمایا تھا۔ مال حلال لوگوں کو دیتے تھے اور مال حلال چھوڑ گئے خدا اُن کو دنیا اور آخرت کی نیکی دے۔"
جب ابوذر نے سنا کہ وہ عثمان سے یہ کہہ رہے ہیں غضبناک ہو کر وہاں سے باہر نکل آئے اُن کے چہرہ سے معلوم ہو رہا تھا کہ اُن کو سخت صدمہ ہو رہا ہے۔ اسی حالت میں وہ کعب کی تلاش میں گلی گلی پھرنے لگے۔ راستہ میں اونٹ کی ہڈی نظر آئی۔ اُٹھا کر بجائے عصا کے ہاتھ میں رکھ لی۔ اُن کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

کسی نے کعب سے کہا کہ "ابوذر تم کو ڈھونڈھ رہے ہیں"۔ کعب ڈر کے مارے بھاگ کر عثمان کے گھر پہنچ گئے۔ ساتھ ہی جب ابوذر بھی وہاں پہنچ گئے تو کعب عثمان کے پیچھے چھپ گئے۔

ابوذر چلائے۔ "ہاں اے کعب تو کہتا ہے کہ خدا دنیا و آخرت کی نیکیاں اس کو دیتا ہے جس نے یہ مال چھوڑا۔ تو خدا سے اس طرح گستاخی کرتا ہے۔ مجھے بتا کہ عبدالرحمن نے یہ مال کہاں سے پیدا کیا۔ کیا اُن کے لئے خدا نے آسمان سے بھیجا یا یہ مال لوگوں کے حصہ کا ہے جس کو ان لوگوں نے محنت سے کمایا تھا۔ قسم خدا کی اس مال کا مالک قیامت کے دن آرزو کرے گا کہ کاش یہ مال بچھو ہو کر اس کے دل پر ڈنک مارتے۔"

اس کے بعد کفار کے علامات جو پیغمبر کی زبان سے سُنے تھے۔ اختصار کے ساتھ بیان کئے۔ اور یہ بھی کہا کہ "پیغمبر نے مجھ سے کہا تھا "ابوذر مجھے گوارا نہیں ہے اگر میں مر جاؤں تو میرے پاس سے ایک قیراط بھی نکلے۔" اے کعب پیغمبر تو یہ کہتے ہیں اور تو کہتا ہے کہ عبدالرحمن اس مال کے جواب دہ نہیں ہیں ہر مال (سونا یا چاندی) جس کا ذخیرہ کیا جائے تو اس کے مالک کے لئے وہ آگ ہے جب تک کہ اس کو راہ خدا میں نہ دے لے۔ پھر بھی تو عبدالرحمن کو اس مال کا ذمہ دار نہیں سمجھ رہا ہے۔"

"کعب! خدا کی قسم تو اور وہ شخص جو تیرا ہم خیال ہے جھوٹ کہہ رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس عصا سے جو ہاتھ میں تھا (اونٹ کی ہڈی) کعب کے سر پر مارا۔ ان کا سر پھٹ گیا (اعیان الشیعہ ج ۱۷ صفحہ ۳۴۷ و مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۴۳۸)

یہ واقعہ عثمان پر سخت ناگوار گزرا۔ ان کا سینہ اس قدر بھر گیا قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ عثمان آرزو کرتے تھے کہ یہ شخص۔ جو بڈھا۔ سوائے ابوذر کے (اسلام قبول کرنے والوں میں پانچویں۔ پیغمبر کے صحابی اور مددگار) کوئی اور ہوتا تو اس وقت میں دیکھ لیتا کہ کس طرح اس کی زبان بند کرکے گستاخی کی سزا دوں۔ باوجود اس کے وہ اپنے غصہ کو روک نہ سکے ابوذر کی طرف پلٹ کر سخت لہجہ میں کہا "مجھے کہاں تک تکلیف دو گے۔ میرے سامنے سے نکل جاؤ۔ خدا کی قسم میں اور تم ایک جگہ نہیں رہ سکتے باہر چلے جاؤ۔"

ابوذر نے کہا" عثمان سنبھلو۔ کیا تم نے۔ پیغمبر۔ ابوبکر۔ اور۔ عمر کو نہیں دیکھا ہے کیا تم اُن کے طریقہ پر چل رہے ہو۔ تم شل ایک ظالم ستمگر کے مجھ پر سختی کر رہے ہو۔"

عثمان نے اصرار سے کہا "باہر جاؤ۔ ہمارے حدود سلطنت اور ہمسایہ سے نکل جاؤ" ابوذر نے دیکھا کہ عثمان بہت بگڑ گئے ہیں۔ کہا کہ "مجھے بھی تمھارا ہمسایہ برا معلوم ہوتا ہے۔ اچھا تم ہی کہو کہاں جاؤں۔"

- "جہاں چاہو چلے جاؤ۔"
- "مکہ جاتا ہوں۔"
- "نہیں خدا کی قسم ممکن نہیں۔"
- "پھر۔ شام چلا جاؤں۔ جو جہاد کی زمین ہے"
- "تم نے شامیوں کو میرے خلاف کر دیا اس لئے میں نے تم کو یہاں بلوا لیا اب

یں پھر تم کو شام بھیجوں ؟"

"اچھا عراق جاتا ہوں"

"نہیں ہو سکتا تم کو ہرگز عراق نہ جانا چاہیئے۔ عراقی خلیفہ اور حکومت کے ملازمین کے ساتھ بہت گستاخ ہیں"

"کہو تو مصر چلا جاؤں"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ ان شہروں کے سوائے اور جگہ انتخاب کرو"

ابوذر بہت جھنجلا گئے تھے۔ کہا "خدا کی قسم جو مقامات میں نے بتلائے اُن کے سوائے اب کوئی دوسری جگہ منتخب نہ کروں گا۔ اگر میری مرضی پوچھتے ہو تو مدینہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جب تم کو اصرار ہی ہے تو جہاں تمھارا جی چاہے بھیج دو"

"تم کو بیابان میں بھیجے دیتا ہوں"

"کیا شہری زندگی کے بعد جنگلی عرب بن جاؤں۔ بہت اچھا۔ نجد کے جنگل میں چلا جاتا ہوں"

"نہیں ہمارے ملک سے دور اور بہت دور نکل جاؤ۔ آج ہی جاؤ۔ اور تم کو ربذہ جانا ہوگا"

عثمان نے مروان اور اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا "ابوذر کو باہر لے جاؤ اور ان کو ایسے اونٹ پر سوار کرو جس کی پیٹھ پر صرف لکڑی کا پالان ہو (پالان پر چمڑا منڈھا نہ ہو) اور بہت ہی بے رحمی کے ساتھ ربذہ پہنچا دو جہاں اُن کا کوئی

ہمدم نہ ہو۔ آیندہ خدا جو کرے"۔

جی حضوری خوشامدیوں نے ڈنڈوں سے ابوذر کو گھر سے باہر نکالا (اعیان الشیعہ ج ۷ صفحہ ۵۰۹)

عثمان نے اعلان کرا دیا کہ "ابوذر کو رخصت کرنے کے لئے کوئی نہ جائے اور نہ کوئی ان کے ساتھ رہے"۔ خوف کے مارے لوگ بھی ابوذر سے الگ ہو گئے۔ جب علیؑ ابن ابی طالب نے سنا کہ ابوذر کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جا رہا ہے اس قدر روئے کہ ڈاڑھی بھیگ گئی کہا "افسوس پیغمبر کے صحابی کے ساتھ یہ عمل ہو رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ اپنے بھائی عقیل اپنے دونوں بیٹے حسنؑ حسینؑ اور چند اصحاب کے ہمراہ ابوذر کے پاس گئے۔

حسنؑ ابوذر سے باتیں کر رہے تھے۔ مروان نے کہا "حسن بارک اللہ کیا نہیں جانتے کہ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ اس شخص سے کوئی بات نہ کرے"۔

(یہ سن کر) سخت غصہ کی حالت میں مروان کے قریب پہنچ کر علیؑ ابن طالب نے اس کے گھوڑے کے سر اور کانوں پہ تازیانہ مارا اور کہا "ہٹ جا خدا تجھے جہنم میں ڈالے"۔

مروان شرمندہ ہو کر بہت ہی غصہ سے بھرا ہوا عثمان کے پاس آیا اور وہاں جو واقعہ گزرا تھا بیان کر دیا۔[۴۲]

علیؑ نے ابوذر سے کہا "اے ابوذر۔ تم خدا سے ڈر رہے ہو اور یہ لوگ

اپنی دنیا کے لئے ڈر رہے ہیں چونکہ تم اپنے دین کے لئے ڈر رہے ہو اس لئے یہ لوگ یہ تہمت تم پر ڈال کر تم کو شہر بدر کر رہے ہیں " اے ابوذر اگر کسی پر زمین و آسمان کے راستے بند کر دئے جائیں اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہو تو خدا اس کے لئے نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے" اے ابوذر" سوائے خدا کے کسی سے محبت نہ کرو اور سوائے باطل کے کسی چیز سے نہ ڈرو۔"

علیؑ نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ سے کہا" اپنے چچا کو رخصت کرو" اور عقیل سے کہا" اپنے بھائی سے رخصت ہو لو" سب نے نہایت رنج و افسوس کے ساتھ ابوذر کو رخصت کیا۔ اور ابوذر نے روتے ہوئے کہا" اے خانوادۂ رحمت خدا تم کو بخشے میں جب آپ کو دیکھتا ہوں تو پیغمبر یاد آتے ہیں۔ مجھے مدینہ میں سوائے آپ لوگوں کے اور کسی سے دل بستگی نہ تھی۔ میں مدینہ اور شام میں ویسا ہی عثمان کے کاندھوں پر بوجھ تھا۔ عثمان نے نہیں چاہا کہ میں اُن کے اور ان کے ماموں زاد بھائی کے قریب رہوں (اس لئے) کہ کہیں میں ان مقامات کو خراب نہ کر دوں مجھے ایسی جگہ بھیجا ہے کہ سوائے خدا کے میرا اور کوئی حامی مددگار نہیں ہے۔"

ابوذر اس طرف روانہ ہو گئے جہاں بھیجے جا رہے تھے اور ان کی مشایعت کرنے والے مدینہ واپس ہوئے۔

جب ابو دردا نے ابوذر کے اخراج کی خبر سنی تو کہا" انا للہ وانا الیہ راجعون" اگر ابوذر میرا ہاتھ یا اور کوئی عضو کاٹ دیتے تو میں اُن کو

کچھ نہ کہتا اس لئے پیغمبر اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔"

صاحب درجات الرفیعہ کہتے ہیں کہ "عبداللہ ابن مسعود کوفہ میں تھے جب انہوں نے سنا کہ ابوذر ربذہ بھیجدئے گئے تو کوفہ کے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا۔ اور کہا کہ " لوگو کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے " ثم انتم هؤلاء تقتلون انفسکم وتخرجون فریقا منکم من دیارھم " (ترجمہ) پھر وہی تم ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے میں سے ایک گروہ کو اپنے ملک سے نکالتے ہو" یہ اشارہ عثمان کی طرف تھا۔ ولید نے عثمان کو اطلاع دی۔ عثمان نے حکم دیا کہ "انکو مدینہ بھیجدو" جب عبداللہ ابن مسعود مسجد میں عثمان کے روبرو کھڑے ہوئے عثمان نے اپنے ایک حبشی غلام کو حکم دیا کہ " اس کو مسجد سے نکال دو" اس نے ابن مسعود کو مسجد سے باہر نکال کر زمین پر دے مارا۔ وہاں ان کے مکان میں اُن کو قید کر کے کھانے کے لئے کچھ نہ دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

ابوذر ربذہ پہنچے جہاں اُن کو بھیجا گیا تھا۔ اس سفر میں اُن کی بی بی۔ لڑکے اور۔ لڑکی کے سوائے اور کوئی ساتھ نہ تھا۔ ربذہ پہنچ کر بجائے اس کے کہ گذشتہ مصائب پر اظہار رنج اور آنے والی تکلیف کی فکر کرتے انہوں نے اس خشک اور خالی صحرا میں بستر لگا دیا۔

وہ سمجھ رہے تھے کہ سچائی اور حقیقت کی طلب نے اُن کو یکہ و تنہا اس بیابان میں بسایا ہے وہ الیقین کے ساتھ جانتے تھے کہ حق اور حقیقت کا ساتھ دینے والا

خدا ہے۔ یہی تصور ان کے اطمینان قلب کے لئے کافی تھا۔ خدا جیسا مددگار رکھتے ہوئے ان کو کچھ خوف نہ تھا۔ اور سوائے خدا کے وہ کسی اور کی مدد کے طالب ہی نہ تھے۔

رسن رسیدہ بڈھا اسی حالت میں زندگی گذارتے ہوئے فقر اور مشکلات کا مقابلہ کر رہا تھا۔ کئی طولانی راتیں گذریں جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو ان کے ارادے میں کبھی سستی نظر نہ آئی۔ وہ صحرا کی جلتی ہوئی ریت پر ایک پھٹے کمبل کے نیچے لیٹ کر راتیں گذارتے تھے لیکن اس کو ان آراستہ محلوں سے بہتر سمجھ رہے تھے جن کو عربا سے (مفت) خدمت لے کر تعمیر کیا گیا تھا اور ان غربا کو خاک نشین بنا دیا گیا تھا۔

رات کا سناٹا چھایا ہوا۔ اطراف و اکناف دور دور تک خاموشی کا رفرما۔ اکثر چاندنی راتوں میں ابوذر اس وسیع میدان کے افق پر ٹکٹکی باندھے صبح کر دیتے اور اس منظر سکوت اور آرام کو حیات جاودانی سمجھ بیٹھے اور ان کو اطمینان تھا کہ ان کا یہ نظریہ ان کے بعد بھی زندہ اور پائندار رہے گا اور فتح و کامرانی کی کوشش جاری رہے گی چاہے اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے ایک ہزار سال ہی گذر جائیں۔

جو بلا آتی ابوذر سہہ لیتے وہ دیکھ رہے تھے کہ چند بکریاں جو ان کے پاس تھیں ایک کے بعد ایک مر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی لڑکی بھوک برداشت نہ کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے رخصت ہو گئی اور اب یہ کالی بلا (موت) ان کے لڑکے کے لئے تیاری کر رہی ہے مجبوراً مدینہ لوٹ کر عثمان کے گھر پہنچے۔

ابوذر نہایت فرسودہ حالت میں عثمان کے دربار میں داخل ہوئے
سفید بالوں سے اُن کا سر ڈھنکا ہوا تھا جس سے ایک مخصوص جلالت نمایاں
تھی۔ کبر سنی کی وجہ سے قد خمیدہ اور ان کا بدن تقریباً برہنہ تھا۔ ہر جانب سے
سہمی ہوئی نگاہیں جن سے شفقت و احترام کا احساس بھی نمایاں تھا ابوذر کے
سوکھے ہوئے چہرے۔ جھریاں۔ پڑی ہوئی پیشانی اور لاغر جسم پر پڑنے لگیں محض
ہڈی اور چمڑہ رہ گیا تھا۔
زمانہ کی گردش اور پے در پے مصائب نے اس بوڑھے کو بالکل توڑ دیا تھا۔
عثمان کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ عثمان کے چہرے پر اپنی آنکھیں گاڑ دیں جو نقاہت
سے گڑھے میں جانے کے باوجود اس وقت خاص چمک دے رہی تھیں اور کہا۔
"عثمان تم نے مجھے میرے گھر سے اس زمین پر بھیج دیا جہاں کھانے کے لئے کچھ ہے
اور نہ کوئی چیز (غلہ) بوئی جا سکتی ہے۔ سوائے چند ایسی بکریوں کے جو اس وقت دودھ دینے
کے قابل ہی نہیں میرے پاس کچھ نہیں ہے اور سوائے میری بی بی کے اور کوئی میری خدمت
کرنے والا نہیں ہے۔ وہاں میرے لئے صرف ایک درخت کا سایہ ہے۔ جب میری
یہ نوبت پہنچ گئی ہے تو مجھے ایک خادم اور چند بکریاں دو تا کہ میں اپنی زندگی بسر کر سکوں"
عثمان نے اپنا منہ اس طرح پلٹا لیا جیسے کچھ سنا ہی نہیں ابوذر نے بھی اس طرف
جا کر وہی الفاظ دوہرائے۔ اس وقت حبیب ابن مسلمہ نے ابوذر سے کہا۔
"تم نے ایک ہزار درہم۔ پانسو بکریاں اور خادم میرے یہاں رکھا تھا"

"۔ اپنی رقم بکریاں اور خادم اس کو دو کہ جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو۔
میں صرف اپنی حق چاہتا ہوں جو قرآن نے میرے لئے مقرر کیا ہے" (اس اثنا میں)
علیؑ ابن ابی طالب آگئے عثمان نے علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا۔" اس اپنے پاگل کو
ہمارے سروں سے دور نہیں کرتے ۔"

"۔ کون پاگل"۔

"۔ ابوذر"

"۔ وہ پاگل نہیں ہیں۔ خدا کی قسم میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے ابوذر کی
حیا۔ فروتنی۔ اور ... ان کا زہد مثل عیسیٰ ابن مریم کے ہے"۔

عثمان کی یہ گفتگو سن کر ابوذر نہایت بے پروائی کے ساتھ اس صحبت سے
باہر نکل آئے۔ ہر چند ان کو پکارا جواب نہ دیا یہاں تک کہ پھر اسی خشک اور
بے آب گیاہ صحرا میں پلٹ آئے جہاں اُن کا ٹھکانا تھا (ربذہ)

جب اپنی ستم رسیدہ بی بی پر نظر پڑی اور پھٹے پرانے خیمہ میں داخل ہوئے۔
جو درخت کے تنہ سے بندھا ہوا تھا۔ دیکھا کہ بیچاری عورت اپنے بیٹے کی لاش کے قریب
بیٹھی ہوئی رو رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت اس کی روح جسم سے نکلی تھی۔

ابوذر سمجھ گئے بھوک نے اُن کے عزیز بیٹے کو اُن کے ہاتھوں سے چھین لیا تھوڑی
دیر کے لئے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا تاکہ یہ ہولناک منظر نہ دیکھیں۔ پھر آنکھیں کھول کر نہایت
ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ اپنے کو سنبھالا

اور اپنے ہاتھوں سے کفنا کر سپردِ خاک کیا۔ درآں حالیکہ بیٹے کا داغ اُن کے دل کو بیحد تڑپا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے لئے بیٹے کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر نہایت مہربانی سے اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر مل کر کہا۔

"اے میرے بیٹے خدا تجھے بخشے تو بہت نیک تھا۔ تو نے اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ مہربانی کی۔ میرے عزیز فرزند میں تیرے مرنے سے کوئی نقصان اور کمی محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ میں سوائے خدا کے اور کسی سے غرض نہیں رکھتا۔ میری برداشت نے اجازت نہیں دی کہ میں تمھارے مرنے کا غم کروں (میرے) فرزند اگر میں موت کے پہلے روز سے نہ ڈرتا تو تجھ سے پہلے مرنا قبول کرتا۔ میرے فرزند پہلی وریافت (نکیرین کے سوالات) کے وقت تو نے کیا کہا اور تجھ سے کیا کہا گیا۔

اے خدا تو نے اپنے کچھ حقوق اس پر واجب کئے ہیں اور کچھ میرے بھی حقوق اس کی گردن پر رکھے ہیں۔ اے خدا میرے حقوق جو اس کی گردن پر ہیں معاف کرتا ہوں اور تو بھی اپنے حقوق بخش دے جو اس پر واجب کئے ہیں کیونکہ تو مجھ سے زیادہ بخشش کے لئے سزاوار ہے۔"

بیٹے کی قبر کے پاس سے اُٹھ کر اپنی منزل پر آئے اور چند روز اپنی وفادار بی بی کے ساتھ فاقوں میں بسر کرتے رہے۔ ایک دن جب بھوک سے بہت ہی عاجز ہو گئے تو بی بی سے کہا اٹھو اس جنگل پر چل کر تلاش کریں شاید گھانس کے کچھ بیج ہی مل جائیں تو

بھوک میں کمی ہو جائے"۔

میاں بی بی خیمے سے باہر نکلے۔ ہوا شدت سے چل رہی تھی اور پے در پے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہر چند تلاش کی مگر کچھ نہ ملا۔ اب ابو ذر پر غشی طاری ہونے لگی۔ گو ہوا سرد تھی مگر ابو ذر کی جھری دار پیشانی اور پچکے ہوئے گالوں پر پسینہ بہنے لگا۔ ابو ذر پسینہ پونچھتے ہوئے اپنے پھٹے ہوئے خیمہ کی طرف لوٹے جب کہ ہوا اس کو دھنے بائیں ہلا رہی تھی۔

لیکن اب کی دفعہ اطمینان کے ساتھ قدم جمائے ہوئے نہیں چلتے۔ ان کے گھٹنے جواب دے رہے تھے چہرہ سیاہ ہو گیا تھا اور اپنی ٹھوڑی سینہ پر رکھے ہوئے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ایک بار ہے جس کو دونوں بازو توڑ دیئے گئے ہیں۔

بی بی نے شوہر کا چہرہ دیکھا آنکھیں پلٹ گئی تھیں۔ وہ عورت جس نے دنیا کی ہر قسم کی مصیبت اور فاقوں کی تکلیف برداشت کی لیکن اس موقع پر صبر و ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ ابو ذر نے پوچھا "کیوں روتی ہو" کہا کیوں نہ روؤں تم اس خشک و گیاہ صحرا میں دم توڑ رہے ہو اور میں اس قدر مجبور ہوں کہ ایک کرتہ بھی میرے پاس نہیں ہے جس میں تم کو کفنا دوں"۔

بے چارہ بڈھا اپنے آپ کو بھول گیا اور اپنی بی بی کے حال پر اس کا دل کڑھنے لگا غم و حزن اور کچھ امید و انتظار کی حالت میں کہا "ذرا رستہ کی جانب دیکھو شاید کوئی مسلمان نظر آئے"۔

-کہاں۔ کس کو دیکھوں حجاج چلے گئے کوئی جانے والا اب نہیں ہے!"

اس وقت ابوذر کو پیغمبر کی گفتگو یاد آئی (تنہا زندگی کرو گے۔ تنہا مرو گے اور قبر سے تنہا اُٹھو گے) کہا۔ "اچھی طرح دیکھو۔ اگر کوئی نظر آئے تو یہ میری پھٹی عبا میری میت پہ اُڑھا کر راستہ پہ بیٹھ جاؤ۔ پہلا قافلہ جو ادھر سے گذرے۔ کہنا کہ "یہ صحابی پیغمبر ابوذر ہے۔ جو خدا کے دربار میں پہنچ گیا۔ آؤ اس کے دفن و کفن میں میری مدد کرو۔"

ستم رسیدہ عورت ٹیلہ پر جا کر خشک و خالی بیابان کے چاروں جانب نظر ڈالتی اور کبھی شوہر کے پاس آ کر اس کی پرستاری میں مشغول ہو جاتی۔ ایک مرتبہ خیمہ سے باہر نکل کر ٹیلہ پر چڑھی تھی کہ غمگین اور اشک آلود نگاہیں اس افق پر پڑیں جو ابر سے گھرا ہوا تھا۔ صحرا کے انتہائی کنارے کی طرف سے چند سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ عورت نے ہوا میں اپنا کپڑا ہلایا۔ سوار متوجہ ہو کر تیزی کے ساتھ اُس کے پاس پہنچے۔

"کیا کہتی ہو؟"

"یہاں ایک مسلمان کا انتقال ہو گیا ہے آؤ اس کو کفن دو اور خدا سے اس کا بدلہ لو۔"

"یہ مسلمان کون ہے۔ وہ اکیلا اس جنگل میں کیا کرتا تھا؟"

"وہ ابوذر غفاری صحابی پیغمبر ہے۔" اس خبر نے ان کے دماغوں پر بجلی کا اثر کیا وہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ برگزیدہ ترین صحابی پیغمبر ابوذر اس وحشت ناک

جنگل میں مرے ہوں۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ کیا پیغمبر کے صحابی ابوذر غفاری مر گئے۔"

"ہاں۔"

ہمارے ماں باپ ان پر قربان۔ نہ معلوم خدا کی کیا مہربانی ہم پر تھی کہ ایسا نیک کام ہمارے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ گھوڑوں کو چابک لگا کر بھاگتے ہوئے خیمہ پر پہنچ گئے ابوذر ابھی زندہ تھے ان سواروں کے چہروں پر نظر ڈالی اور کہا تم کو خوش خبری دیتا ہوں۔ ایک دن پیغمبر چند آدمیوں کو مخاطب فرما کر کہہ رہے تھے جن میں میں بھی تھا۔ تم میں سے ایک شخص بے آب و گیاہ جنگل میں مریگا۔ مومنین کی ایک جماعت وہاں پہنچ کر اس کو دفن کر دیگی۔ وہ سب اپنے شہروں اور اہل خاندان میں مر گئے اور اب صرف میں زندہ ہوں۔ پھر اس نیم جان بڈھے نے تحسین کی ایک نظر ان پر ڈال کر کہا۔

خدا کی قسم جھوٹ کہا ہے اور نہ کہا ہے۔ اگر میرے اور میری بی بی کے کفن کے لیے کپڑا ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا کہ اس کے سوا کسی دوسرے کپڑے میں لپٹا یا جاؤں۔ جب یہ صورت ہے تو اپنے اور تمہارے درمیان خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تم میں جو سرکاری ملازم (امیر، پولس افسر، چنگی اور ڈاک کا ملازم) نہ ہو وہ مجھے کفن دے۔

حاضرین نے حیرت سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا کیونکہ سوائے ایک جوان انصاری کے سب ملازم تھے۔ جوان انصاری نے کہا "چچا جان! میرے پاس چادر ہے جو اپنی روزانہ کی مزدوری سے میں نے خریدی ہے۔ اور دو کپڑے

بھی میری خورجین میں ہیں۔ جو میری ماں نے سوت کات کر اپنے ہاتھ سے میرے احرام کے لئے بنا ہے۔"

ابوذر نے کہا "تم مجھے کفن دو تمہارا کپڑا حلال و پاک ہے۔"

جوان انصاری کے اطمینان دلانے کے بعد آسودہ ہو کر ابوذر نے آنکھیں بند کر لیں اور نہایت آرام کے ساتھ ان کا رشتہ حیات ٹوٹ گیا۔

سیاہ بادل آسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ تیز ہوائیں صحرا کی ریگ کو اس طرح بکھیر رہی تھیں گویا ربذہ کا خشک اور خالی میدان ایک طوفانی سمندر ہے۔

ان کو غسل اور کفن دیکر ان پر نماز پڑھ کر خاک کے سپرد کرنے کے بعد جوان انصاری نے اُن کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا۔ "خدایا یہ ابوذر تیرے پیغمبر کا صحابی اور تیرا عبادت گزار بندہ ہے۔ جس نے تیری راہ میں مشرکین سے جہاد کیا۔ خدایا۔ ابوذر نے اپنے ایمان اور عقیدے میں کچھ بھی رد و بدل نہیں کی بلکہ برائی دیکھی اور دل و زبان سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو مجبور کر کے شہر بدر کیا اور ان کو ان کے حق سے محروم کر کے ذلیل و خوار کیا اور وہ اس غربت و تنہائی میں مر گئے۔ خدایا جس نے ابوذر کو محروم کر کے ان کے گھر اور پیغمبر کے حرم سے نکالا اُس کو ابوذر کر" حاضرین نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر نہایت خلوص کے ساتھ چپکے سے "آمین" کہی۔

نوٹ از ناشر: ابوذر آسمان کی جانب آنکھیں لگائے ہوئے سرزمین صبح کی سفیدی دیکھتے دیکھتے وہاں (ربذہ میں) سنہ ۳۲ ہجری میں فوت ہو گئے۔ اس وقت ابوذر

یہ نہیں جانتے تھے کہ دوسری صبح جلد نمودار ہو گی یا کچھ دیر سے۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ طلوع ہو کر رہے گی جلد ہو یا دیر سے اور اس کا بھی ان کو یقین تھا کہ یہ چمکتی ہوئی شعاعیں مشرق و مغرب کو اپنے نور سے روشن کر کے ہی رہیں گے۔

ابوذر مر گئے لیکن اس بڑے صحابی کی موت سے عثمان ان کے حکام اور حاشیہ نشینوں کی سیاست سے جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ دور نہ ہو سکی۔ اس ناراضگی کا انحصار صرف ابوذر ہی پر نہ تھا بلکہ وہ بھی اس ناراض جماعت کی ایک فرد تھے۔ ہاں اسلام میں پہل کرنے اور پیغمبر کے ساتھ اسلامی خدمات انجام دینے کی وجہ سے بمقابل دوسروں کے ان کے کہنے میں زیادہ اثر تھا۔

<u>داد خواہوں</u> نے ابتداً انجمنیں بنا کر اپنے مکانوں میں چھپ کر عثمان پر علانیہ لعنت کرتے تھے۔ عثمان اور ان کے قرابتداروں نے جو فاش غلطیاں کیں ان پر نکتہ چینی کرنے لگے۔

ابن سبا نے جو عرب ممالک میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو دورہ کیا جا رہا تھا۔ بصرہ میں ٹھہر کر تبلیغ شروع کی اور خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے داد خواہوں کے ساتھ ربط پیدا کر لیا بصرہ۔ کوفہ۔ اور۔ مصر میں انقلاب کا دامن اس قدر وسیع ہو گیا کہ مجبور ہو کر عثمان نے امرائے دربار سے چار اشخاص کو منتخب کر کے۔ حالات کی تحقیق اور نظم کی برقراری کے لئے بھیجنا چاہا۔

محمد ابن مسلمہ کو کوفہ کی جانب، اسامہ ابن زید کو بصرہ کے لئے نامزد کیا، عبداللہ ابن عمر کو شام پر۔ اور۔ عمار یاسر کو مصر روانہ کیا۔ ان میں سے تین آدمیوں نے واپس آ کر

خلیفہ کو اطلاع دی کہ "ان شہروں کے تمام مسلمان (عثمان) کے اور ان کے حکام کی مخالفت میں تیار ہو گئے ہیں" لیکن ایک شخص (عمار یاسر) پیغمبر کے صحابی جو اسلام میں پیش پیش تھے واپس نہیں ہوئے کیونکہ وہ خود بھی داد خواہوں کے شریک ہو گئے۔

عمار یاسر کا یہ اقدام عثمان کے لئے بہترین دلیل تھی کہ وہ اپنی سیاسی غلطی اور لوگوں کی ناراضگی سے باخبر ہو جاتے۔

طبری کہتے ہیں کہ "عثمان کے دشمن سنہ ۳۴ ہجری سے عثمان کو (خلافت) سے ہٹانے اور ان کے حکام کو معزول کرنے کے لئے اپنے اپنے شہروں سے آپس میں کاغذی گھوڑے دوڑانے لگے۔ یہ وحشتناک خبریں مرکز کو پہنچ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ خلیفہ مجبور ہو گئے کہ سرکلر ذیل گشتی اپنے ممالک محروسہ میں جاری کریں۔

(گشتی) "مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرے عمال نے تم میں سے بعض کو مارا ہے اور گالیاں دی ہیں جس کسی کو شکایت ہو حج کے موقع پر آئے تاکہ مجھ پر یا میرے عمال پر جس کسی کا حق ہو واپس کرا دوں اس دشنام کو لوٹا دوں۔"

اس گشتی کے نفاذ کے بعد اپنے مصاحبین و اہل دربار سے مشورہ کیا کہ کیا چارہ کار اختیار کیا جائے بعضوں نے کہا کہ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے، بعضوں نے اس کے خلاف مشورہ دیا کہ ان پر اور زیادہ سختی کی جائے۔ اس درمیان میں معاویہ نے بھی ان کو لکھا کہ "قبل اس کے کہ لوگ تم پر حملہ کر دیں اور کوئی چارہ کار ممکن نہ ہو شام چلے آؤ" لیکن پیرسنی کی وجہ سے نیز مدینہ کی سکونت ان کو بے حد پسند تھی عثمان نے معاویہ کی

درخواست رد کر دی۔

جاننا چاہیئے کہ عثمان کے تدابیر اور مسلمانوں کی دل جوئی کے لئے اس وقت جو کچھ کر رہے تھے ذرہ برابر بھی ان کا اثر نہ تھا۔ ابھی حج کا موسم بھی شروع نہ ہوا تھا کہ مصر، بصرہ اور کوفہ سے کئی ہزار آدمی حج کے بہانے سے مدینہ پہنچ کر دروازہ شہر کے پاس خیمہ زن ہو گئے۔

مدتیں گذریں۔ اس طویل عرصہ میں یہ لوگ اپنے خواہشوں کی تشفی کی نسبت میں مشورے کرتے اور تدابیر سوچتے رہے۔ اہل مدینہ کو اس وقت ان کے ارادوں کی خبر ہوئی جب کہ طوفان کی طرح ان کا لشکر چلاتے ہوئے شہر میں داخل ہوا "اے اہل مدینہ جو عثمان کی مدد سے باز رہے وہ امن میں ہے" چونکہ اہل شہر عثمان سے خوش نہ تھے اس لئے ان کی مدد نہیں کی اور دراندازوں نے دیکھا کہ کسی نے ان کے مزاحمت بھی نہیں کی عثمان کے مکان پہنچ کر ان کے گھر کو گھیر لیا لیکن کسی کو ان سے ملنے جلنے سے نہیں روکا۔

مہاجرین و انصار کے امراء کی ایک جماعت نے دراندازوں سے پوچھا کہ "اس طرح جمع ہونے سے تمہارا کیا ارادہ ہے" دراندازوں نے کہا کہ "یہ شخص (عثمان) ہمارے کسی مرض کی دوا نہیں۔ یہ ہٹ جائے تاکہ ہم کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر بٹھا دیں" اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔

اس خوف سے کہ کہیں یہ آفت سر پر نہ آجائے عثمان نے اپنے عمال سے مدد چاہی۔ جمعہ کے دن گھر سے نکل کر مسجد گئے۔ لوگوں کو نماز پڑھائی اور خطبہ کے ضمن میں

لوگوں کو دادخواہوں کے خلاف ابھارا ۔ وہ لوگ (دادخواہ) سامنے سے نہیں ہٹے بلکہ کنکریاں پھینککر لوگوں کو مسجد سے باہر نکالدیا اور خود عثمان پر اس قدر کنکریاں ماریں کہ وہ بیہوش ہوکر منبر سے گرگئے ۔

اہل مدینہ بھی خلیفہ کے پاس سے پراگندہ ہوکر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور بغیر اسلحہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے ۔

امیرالمومنین کے محاصرہ کو چالیس روز گذر گئے ۔ اور دادخواہ بغیر اس کے کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ عثمان خلافت سے دست بردار ہو جائیں ورنہ ان کو قتل کردیں گے ۔

امام علی اور مہاجر و انصار کے چند مخصوص افراد نے عثمان کو نصیحت کی کہ وہ اپنا طریقہ کار بدل دیں اور مصاحبین ۔ مروان ۔ معاویہ ۔ ابن عامر ۔ اور عبداللہ ابن سعد کو روکیں کہ یہ اپنی حد سے بڑھ گئے ہیں ۔ عثمان نے اس نصیحت کو قبول کیا اور بذات خود دادخواہوں کے مجمع میں آکر تقریر کرتے ہوئے اسی ضمن میں کہا کہ " میں پہلا شخص ہوں جو نصیحت قبول کررہا ہوں اور جو کچھ (برا کام) کیا ہے اس سے توبہ کرتا ہوں اور خدا سے معافی چاہتا ہوں ۔ غور کرو کہ مجھ جیسا شخص توبہ کررہا ہے ۔ جب میں تقریر ختم کرلیں تو تم اپنے اپنے نمایندوں کو میرے پاس روانہ کرو اور اپنے خواہشوں کو بتلاؤ ۔ جس کسی پر ظلم ہوا ہو مجھے اطلاع دے تاکہ میں اس کا انسداد کروں اور جو حاجت رکھتا ہو بیان کرے تاکہ میں پوری کروں ۔

خدا کی قسم اگر سچائی کے ساتھ غلامی کا طوق میری گردن میں ڈالدیں تو میں

اس نوبت کو اپنے لیے قبول کر لوں گا (کیونکہ ہم سب کو خدا کی طرف جانا ہے خدا کی قسم میں تم کو خوش کرونگا۔ مروان اور اس کے عزیزوں کو اپنے پاس سے ہٹا کر اپنے میں اور تم میں کوئی فاصلہ نہ رکھونگا۔

جب خلیفہ گھر لوٹے مروان اسعد۔ اور۔ بنی امیہ کے چند افراد جنھوں نے (عثمان کی زبان سے) خطبہ سنا تھا خلیفہ کی واپسی سے پہلے ان کے مکان میں منتظر بیٹھے تھے عثمان کے پہنچتے ہی مروان ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دوسروں کی نسبت مروان کا اثر عثمان پر بہت تھا۔ اور نہایت سخت لہجہ میں اُن سے گفتگو کرتا تھا۔ کہا۔ "امیر المومنین میں کچھ کہوں یا خاموش ہوں"۔ عثمان کی بی بی نائلہ نے اپنے شوہر کو جواب دینے کی مہلت نہ دی کہا۔ خاموش رہ۔ خدا کی قسم تم لوگ عثمان کے قاتل ہو۔ تم عثمان کے بچوں کو یتیم کر رہے ہو۔ انھوں نے سب کے سامنے وعدہ کیا ہے ہرگز اس سے نہ پلٹنا چاہیئے۔"

مروان نے عثمان کی بی بی کو گالیاں دیں اور انھوں نے بھی مروان کو گالیاں دیں۔ مروان نے عثمان کو قابل ملامت قرار دیتے ہوئے کہا۔ "یہ گفتگو کیا تھی۔ تم لوگوں کو گستاخ بنا رہے ہو"۔

عثمان نے کہا "اُس کے بغیر چارہ ہی کیا تھا۔ وہ تو میرے قتل کے درپے تھے"۔

عثمان کے خطبے کے بعد جس کو جو شکایت تھی اُس نے پیش کی۔ دادخواہوں نے بھی عثمان کے وعدوں پہ بھروسہ کر لیا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب خلیفہ نیک و منصف حکام

مامور کریں گے۔ سب اپنے اپنے شہروں کو واپس ہو گئے۔

لیکن مصریوں نے اثنائے راہ میں دیکھا کہ عثمان کا غلام زکوٰۃ (بیت المال) کے اونٹ پر بیٹھا ہوا چلا جا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ سب سے آگے نکل جائے۔ یہ لوگ (مصری) غلام سے بدگمان ہو گئے۔ اس سے پوچھا کہ "کس کام سے اور کہاں جا رہے ہو۔" غلام کا رنگ بدل گیا۔ زبان رک گئی۔ کچھ جواب نہ دے سکا۔

غلام کی یہ حالت دیکھ کر بدگمانی ہوئی۔ اس کے سامان کی تلاشی لی اس وقت ان کا تعجب اور بھی بڑھ گیا جبکہ اس کے سامان سے ایک خط برآمد ہوا جس میں عثمان کے جانب سے عبداللہ ابن سعد حاکم بصرہ کے نام لکھا تھا کہ "داد خواہوں کے بعض لیڈروں کو تازیانے لگا کر ان کی داڑھی مونچھ اور سر مونڈھ دو۔ بعض کو قید اور بعض کو دار پر چڑھا دو۔"

دادخواہ یہ خط دیکھتے ہی راہ میں سے مدینہ واپس ہوئے اور بلا تاخیر عثمان کے گھر پہنچکر ان سے پوچھا کہ "اس کا کیا مطلب ہے۔"

عثمان نے خدا کی قسم کھا کر کہا۔ "نہ میں نے لکھا نہ حکم دیا اور نہ مجھے کوئی اطلاع ہے۔"

محمد ابن مسلمہ نے بھی تائید کی کہ عثمان سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ کام مروان کا ہے" عثمان نے کہا "میں نہیں جانتا کہ مروان نے لکھا ہے۔"

لیکن فریادیوں نے قبول نہ کیا اور طنز سے مسکرا کر کہا "مروان تم پر اس قدر کیوں مسلط ہے۔ تمہارے غلام کو بیت المال کے اونٹ پر سوار کر کے خط پر تمہاری مہر لگا کر تمہارے حکام کے نام ایسا اہم حکمنامہ بھیجے اور تم کو خبر نہ ہو۔

امیرالمومنین (عثمانؓ) یقیناً ایسا ہی ہے۔ میں نہیں جانتا۔"

"تم سچ کہتے ہو یا جھوٹ۔ اگر جھوٹ کہہ رہے ہو تو اس جگہ (خلافت) کے سزاوار نہیں ہو کیونکہ بلا سبب ہماری قید و قتل کے لئے لکھا تھا۔ اور اگر سچ کہہ رہے ہو تو جب بھی (خلافت) سے ہٹ جانا چاہیئے اس لئے کہ تم بالکل عاجز اور بودے ہو۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ مسلمانوں پر حکومت کرنے کا اختیار بزدل کے ہاتھ میں دیا جائے اور اس کی بے وقوفی کے دوسرے جو چاہیں اور جس طرح چاہیں حکومت کریں۔ لہٰذا چلو اپنی جگہ خالی کرو۔"

عثمان "خدا نے میرے جسم پر جو لباس سنوارا ہے وہ نہیں اتاروں گا۔ ہاں توبہ کرتا ہوں۔"

"اگر یہ پہلی خطا ہوتی اور توبہ کرتے تو ہم قبول کرتے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ توبہ کرتے ہو اور پلٹ جاتے ہو۔ جب تک اس خدمت سے علیحدہ نہ ہو جاؤ ہم تم سے دست بردار نہ ہوں گے چاہے ہم مارے جائیں۔"

اب کی دفعہ محاصرے میں اس قدر سختی کی کہ لوگوں سے میل جول بند کر دیا۔ یہاں تک کہ امام علی ابن ابی طالب کو بھی روک دیا اور آنجناب کو اُن سے آئندہ کے توقعات وابستہ اور اُن کا بہت احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ اس لئے کہ عثمان عاجز آ کر جگہ خالی کر دیں۔

عثمان عاجز آ گئے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بلا جو اُن کے گلے کا ہار ہو گئی کس طرح اُس سے چھٹکارا ہو گا۔ معاویہ۔ ابن عامر۔ اور لشکر کے سرداروں کو لکھا کہ "جس قدر جلد ممکن ہو کمک روانہ کریں۔ معاویہ نے حبیب ابن مسلمہ الفہری کی قیادت میں کچھ فوج بھیجی۔ اور مجاشع ابن مسعود سلمی بھی ایک جماعت کے ہمراہ بصرہ سے

روانہ ہوا۔

بصرہ کا لشکر شام کی سپاہ سے پہلے مدینہ روانہ ہوا۔ ربذہ پہنچے تھے کہ ایک سوار مدینہ سے مشرق کی جانب جاتا ہوا نظر آیا۔ اس کو روک کر پوچھا کہ "دادخواہوں کے ہنگامہ کا نتیجہ کیا ہوا"

کچھ دنوں تک عثمان کے گھر کا محاصرہ رہا۔ بعض کہتے تھے "اب انتظار کیا ہے"۔ بعض کہتے تھے کہ جلدی نہ کرو۔ شاید وہ اس کام سے الگ ہو جائیں۔ پھر بے چین ہو کر سوار نے کہا "ذوالحجہ کی اٹھویں کو دادخواہوں کے صبر کا پیالہ بھر گیا۔ گھر میں گھسنا چاہا مگر اندر سے دروازہ مقفل تھا۔ انھوں نے دروازہ کو آگ لگا کر جلا دیا اور گھر میں گھس پڑے۔ عثمان کو بچانے کے لئے لوگ اُن کو (دادخواہوں کو) روک رہے تھے۔ روکنے والوں میں سب سے پیش پیش امام علیؑ ان کے دونوں بیٹے حسن اور حسین تھے۔ (دادخواہ) ان دونوں کو ہٹا کر عثمان کے قریب پہنچے اور آخری حجت تمام کرنے کے لئے کہا " اب بھی (خلافت سے) ہٹ جاؤ"۔

عثمان! "جو لباس خدا نے میرے جسم پر پہنوایا ہے اسے جدا نہ کروں گا"۔

(سوار نے کہا) "میں بھی اس جماعت میں شریک تھا۔ محمد ابن ابی بکر نے جو سب کے آگے تھے عثمان کی داڑھی پکڑی اور کہا "اے نعثل خدا تجھے ذلیل کرے"۔

عثمان "میں نعثل نہیں ہوں۔ میں امیر المومنین عثمان ہوں"۔

"دیکھا۔ معاویہ اور فلاں فلاں اشخاص نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا"۔

"تیرے بھائی کے بیٹے میری ڈاڑھی چھوڑ دے۔ تیرے باپ یہ ڈاڑھی نہ پکڑ سکتے۔"
"اگر تم میرے باپ کی زندگی میں یہ کام کرتے وہ بھی تمھاری ڈاڑھی پکڑتے
میں تمھارے متعلق جو ارادہ رکھتا ہوں وہ اس (ڈاڑھی پکڑنے) سے بدتر ہے۔"
"تمھارے مقابلہ کے لئے خدا سے مدد چاہتا ہوں اور اسی سے کمک کا طالب
ہوں۔" محمد نے اُن کی ڈاڑھی چھوڑ دی اور گھر سے باہر نکل گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ "محمد کے ہاتھ میں جو کدال تھی جب تک عثمان کے
سر پر نہ ماری گھر سے باہر نہیں نکلے۔" لیکن میں نے نہیں دیکھا۔ میں نے فقط یہ
دیکھا کہ سودان ابن حمران اور ابا حرب غافقی۔ اور کنانہ ابن بشر التجیبی اور
قتیرہ ابن وہب السکسکی نے ان (عثمان) پر ہجوم کیا۔ سودان نے چاہا عثمان
کے تلوار لگائے عثمان کی بی بی نائلہ نے اپنے کو شوہر پر گرا دیا اور تلوار ہاتھ سے
پکڑ لی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ دوسروں نے بھی عثمان پر حملہ کر دیا۔

نہایت ہولناک و دلخراش منظر تھا۔ اب بھی وہ میری نظر میں مجسم ہے جب
اس کا تصور کرتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ واقعہ میرے سامنے ہو رہا ہے۔
حملہ آور آگے بڑھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس نے ان کو قتل کیا ہاں یہ ضرور دیکھا کہ
وہ اپنے خون میں ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور ان کی بی بیاں (نائلہ اور
ام البنین) رو رہی تھیں۔ اور یہ بھی میں نے دیکھا کہ ان کی پاکدامن بی بیاں اپنے
شوہر سے لپٹ گئی تھیں۔ لوگوں کا جوش اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ عثمان کو

ٹکڑے ٹکڑے کریں لیکن یہ دونوں ان کو روک رہی تھیں"۔

اسوقت بصرہ کے سپاہی اس سوار کے اطراف جمع ہوکر خوف و دہشت کیساتھ اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ سوار نے کہا "خدا عثمان کو بخشے دو چیزیں ان کے قتل کا باعث ہوئیں ایک تو یہ کہ انہوں نے اپنے اہل قرابت کے مقابلہ میں بزدلی کا اظہار کیا دوسرے یہ کہ ابوبکر اور عمر کے طریقہ کار کو ٹھکرا دیا"۔

چاروں طرف دیکھ کر پھر اس سوار نے اپنی گفتگو کا سلسلہ یوں شروع کیا "خدا ابوذر کو بخشے کہ اُنھوں نے سچائی اور مصلحت اندیشی سے عثمان کو نصیحت کی لیکن عثمان نے ان کی قدر نہ کی اور ایک ظالم کی طرح ان سے سلوک کیا"۔ پھر بصرہ کے لشکر کی جانب متوجہ ہوکر کہا "میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ عثمان نے دادخواہوں سے دامن تھام کر ان سے التجا کی کہ "مجھے قتل نہ کرو کیونکہ سوائے تین قسم کے (مجرمین کے) کسی کو قتل نہیں کر سکتے (۱) جس نے صاحب شوہر عورت سے زنا کیا ہو (۲) جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جائے (۳) جو شخص بے سبب کسی کو قتل کرے"۔

دادخواہوں نے جواب دیا "تم ایک بلا ہو گئے ہو۔ خدا نے اپنے بندوں کو تم سے سابقہ ڈالا۔ تم پہلے بہت اچھے اور حکومت کے لائق تھے لیکن تم خود جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا۔ ہم تمھارے مقابلہ میں امر حق جاری کرنے سے ہرگز باز نہیں رہیں گے کیونکہ نہ معلوم آیندہ سال کیا فتنہ برپا ہو۔ تم نے کہا کہ "سوائے" تین قسم کے مجرموں کے کسی کو قتل نہیں کر سکتے"، لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن

نے کچھ اور لوگوں کا قتل بھی جائز رکھا ہے۔ جو فتنہ اور فساد کرے۔ جو ظلم
کرے اور ظالم کی مدد شدت کے ساتھ کرے۔ جو شخص (امر) حق جاری کرنے
سے منع کرے اور جھگڑے۔ اے عثمان تم نے ظلم کیا اور حکم حق جاری کرنے
سے مانع ہوئے تم اور تمھارے ساتھی اس طریقہ سے باز نہ آئے۔" یہ کہہ کر
ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو قتل کر دیا۔ خدا عثمان کو بخشے۔ خدا ابوذر کو بخشے" بصرہ
کے سپاہیوں نے پوچھا "ابوذر کون ہیں اور عثمان سے ان کو کیا تعلق ہے جو تم
بار بار عثمان کے ساتھ ان کے لئے بخشائش کے طالب ہو"
سوار ایک پتھر کے ڈھیر کی طرف بڑھا جس پر نرم ریگ پڑی ہوئی تھی اور کہا
ابوذر غفاری پیغمبر کے صحابی اور مددگار تھے۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے
کہ ابوذر عثمان اور ان کے مصاحبین سے یہی کہتے تھے جو وادخواہ عثمان سے
کہہ رہے تھے۔ سوار کہہ رہا تھا کہ "جب معاویہ نے ابوذر کو شام سے نکال دیا
اور وہ مدینہ آئے میں نے دیکھا ہے کہ وہ ایک سوکھے ہوئے لاغر اونٹ پر سوار
تھے اور پے در پے مصیبتوں کی وجہ سے ان کے قویٰ بیکار اور وہ ناتوان
ہو گئے تھے میں اور چند مومنین کوہ "سلع" کے دامن میں بیٹھے ہوئے تھے
ہم کو دیکھتے ہی ابوذر نے چند دفعہ چلّا کر کہا "مدینہ کے لوگوں کو پریشانی
اور ہولناک جنگ کی خوش خبری دو۔" خدا نے مجھے توفیق دی کہ ان کے
مرنے کے وقت اس بے آب گیاہ جنگل میں ان کو اپنے ہاتھوں سے

پتھر کے ڈھیر کے نیچے چھپا دیا اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ "ابوذر نے برائی کا دل اور زبان سے اس قدر مقابلہ کیا کہ (لوگوں نے) ان پر ظلم کیا۔ شہر بدر کیا۔ اور ان کو ذلیل و خوار کیا اور وہ عالم غربت میں تنہا فوت ہوئے۔" پھر میرے دل سے صدا نکلی کہ "خدایا جنھوں نے ابوذر پر ظلم کر کے اُن کو اُن کے وطن اور پیغمبر کے حرم سے نکالا ان کو نابود کر۔ ابھی تین سال بھی نہ گزرے تھے کہ جس چیز (ہولناک جنگ) سے ابوذر ڈرا رہے تھے وہی ہوا اور اپنی آنکھوں سے عثمان کی قتل گاہ بھی دیکھ لی۔ خدا کی قسم رات نہیں گزار دوں گا جب تک کہ ابوذر کی قبر پر جا کر ان کے لئے طلب بخشش نہ کر لوں۔ ابوذر پاک دامن پرہیزگار۔ اور حق کے طرفدار تھے۔"

بصرہ کے سپاہیوں نے صدق دل سے کہا "خدا ابوذر کو بخشے۔"

تاریخ کے لئے | تاریخ کا سلسلہ مثل زنجیر کی کڑیوں کے ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ ہر گزرے ہوئے زمانہ کے لحاظ سے انسان کا موقف جداگانہ ہوتا ہے اور اس زمانہ کا اندازہ کر کے واقعات کا فیصلہ کرنے میں جو اختلاف دنما ہو وہی دونوں گروہ کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ یعنی ایک وہ گروہ جو بلا لحاظ زمان و مکان کسی کی شخصیت کا فیصلہ کرے۔ بالفاظ دیگر "کسی کی شخصیت کو مستقل حیثیت دیدے"۔ اور دوسرا گروہ محض کسی کی رفتار، گفتار، کردار۔ دیکھ کر ایک طرفہ فیصلہ صادر کر کے اس کو ہر لحاظ سے اچھا یا ہر اعتبار سے برا کہدے یہ دونوں یقیناً غلطی پر ہوں گے۔

انہی تاریخی واقعات میں ایک واقعہ ابوذر کا بھی ہے کہ وہ عثمان ابن عفانؓ معاویہ ابن ابی سفیان کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جو شخص ان واقعات کا مطالعہ گہری نظر سے کرے گا وہ پہلی مرتبہ ایک خوش خوار نیک کردار امیر کو دیکھے گا۔ جو پرہیزگاری اور پاک دامنی میں معروف اور بردباری و بخشش میں مشہور ہے۔ ساتھ ہی اس امیر کو ان تدابیر کی بھی فکر ہے کہ جن کے ذریعے وہ اپنی وسیع سلطنت کے کاروبار انجام دے سکے۔

لیکن اس امیر کی بے تدبیری کا کھلا ہوا نمونہ یہ ہے کہ حکومت کے تمام کاروبار اپنے اہل قرابت (بنو امیہ) کے ہاتھوں میں سونپ کر کنارہ کش ہوگئے۔ اس امیر نے بدیہی طور پر اپنے اہل قرابت۔ حکام۔ اور۔ مصاحبین کو اجازت دیدی کہ دیہات کو اپنی جاگیر قرار دیکر تمام حکومت اسلامیہ میں مضبوط عمارتیں بنالیں۔ اور اس میں یہاں تک زیادتی کی کہ فقراء کے مقابلہ میں ایک گروہ سرمایہ داروں کا بنگیا۔ یہ طریقہ پہلے دو خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے مقررہ طریقہ کے بالکل خلاف تھا۔ یعنی جو دیہات جاگیر بنالئے گئے یہی وقفی زمینیں تھیں کہ ان خلفاء کے عہد میں تمام مسلمانوں کے لئے وقف اور ان کے غلہ سے استفادہ کرنے میں سب برابر کے شریک تھے

دوسری جانب اسی امیر کے ایک کھوبیدار کو ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر۔ ابوبکرؓ۔ اور عمرؓ نے جس مال "فی" و "غنیمت" کو مسلمانوں پر تقسیم کیا۔ اس میں دست اندازی کرکے اپنی ذات۔ اپنے حکام اور اپنے خزانہ داروں کو دوسروں پر ترجیح دیکر کہتا ہے کہ یہ مال خدا کا ہے اور میں بیت المال کا امین ہوں مجھے حق ہے کہ جس طرح دل چاہے خرچ کروں۔

جبکہ لوگ بھوک سے عاجز آگئے تھے اور وہ سپاہی جو اپنے ملک کی خاطر میدان جنگ میں اپنی جان قربان کر رہا تھا یہ سب یہاں تک مجبور کر دیئے گئے تھے کہ سپاہی کو اپنے مقتول کی زرہ و آلات حرب لینے کی اجازت نہ تھی۔ اور جو اپنے عالی شان محل اور بہترین باغ بنوائے جہاں ہر قسم کے اسباب زینت و عیش موجود تھے۔

اس کے بعد۔ ہم اصحاب پیغمبر کے ایک بزرگ پیشوا کو دیکھتے ہیں کہ اس حاکم (عثمان) اور اس امیر (معاویہ) کے روبرو کھڑے ہوئے ان کی سیاست پر نکتہ چینی کر کے خواہش کر رہا ہے کہ "تم سے پہلے جنھوں نے مسلمانوں کو برقرار رکھنے کے لئے انصاف و برابری کا راستہ اختیار کیا تھا تم بھی وہی راہ اختیار کرو بیت المال کو مسلمانوں کا مال سمجھنا چاہیئے نہ کہ خدا کا اور اس مال میں جس کا حق ہو اسے پہونچا دو۔ وہ کہتے ہیں کہ تمھارے خرچ سے جو مال بچ جائے تنگدست فقرا کو دیدو۔ مال جمع کرنے کی فکر میں نہ پڑو۔ جو مال جمع کرکے نیکی کی راہ میں خرچ نہ کریگا وہ سخت دردناک عذاب میں گرفتار ہوگا۔

یہی وہ پہلا منظر ہے جس سے عثمان و معاویہ کے مقابلہ میں ابوذر کا موقف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وہ دل رکھنے والا دادخواہ ایک بے حس امیر اور ایک جابر صوبیدار جس نے رعایا کے حقوق غصب کر کے تیس سال کی طویل مدت تک ان سے استفادہ کرتا رہا۔ اب یہ ماننا پڑے گا کہ ابوذر محنت اور مزدوری کرنے والے

گروہ کی مدد کرنے میں بالکل حق پر تھے۔ یعنی وہ طبقہ کہ جن کے حقوق میں دست اندازی کرکے عثمان اور معاویہ نے ایک ثروت مند طبقہ ایجاد کر دیا تھا۔

یہی وہ منظر ہے جو ابوذر کی بزرگی کو ظاہر کر رہا ہے اور ہم اسی کو اس کتاب میں مجسم کر رہے ہیں۔ بلکہ اسی نے ہم کو اس کتاب کی تالیف پر مجبور کیا۔ جن آزادی خواہوں نے حق و انصاف کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیں ہم نے ان سب کے ناموں سے کا اوپر ابوذر کا نام رکھا ہے۔

کہیں تاریخ ہم کو یہ الزام نہ دے کہ ہم نے تصویر کا دوسرا رُخ ظاہر نہیں کیا کیونکہ ہم نے تاریخی سلسلہ سے جمع کرکے وہی واقعات قارئین کرام کے ملاحظہ میں پیش کر دیئے جن کا تعلق ابوذر سے تھا یا اس وقت ان کے لیے پیش آئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہم تاریخی واقعات کو بدل کر دوسری صورت میں نمایاں نہیں کر سکتے (مثلاً) معاویہ اور اس کے مددگاروں کے ہاتھوں سے لوگوں پر جو مظالم ہوئے ان کی نسبت ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ ظلم نہ تھا بلکہ تاریخی حیثیت سے شاہراہ ترقی پر گامزن تھے اور باوجود سخاوت اور بے نظیر استقامت کے جو ابوذر نے دکھائی اور اس کے جو نتائج ان کے پیش نظر تھے (یعنی وہ آزادی کے راستے کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے۔ آج ہم جس کا خواب دیکھ کر وہی آزادی حاصل کرنے کی فکر میں ہیں) ہم ان کو رجعت پسند کہیں۔ یا یہ خیال کریں کہ وہ قافلۂ تمدن سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

ابو ذرؓ صحرائی زندگی کے خصوصیات اور بیابانی تربیت کے نمونہ تھے۔ پاکبازی، صاف گوئی، طرز گفتگو نہایت سلجھا ہوا۔ حق کی پرستاری۔ جبر و قوت سے دب کر ذلت قبول نہ کرنا یہی ان کے خصوصیات ور یہی ان کی تربیت کا تقاضہ تھا۔ اور جلد بازی، سادگی، تھوڑے پر قناعت کرنا۔ اور۔ جو کچھ ملجائے اسی پر گذارہ کرلینا صحرائی تربیت کے عیوب سمجھے جاتے تھے۔

معاویہ عرب کی بدلتی ہوئی نئی زندگی کا ایک نمونہ تھا جنھوں نے افلاس کی سخت کشمکش سے نکل کر آسائشوں کی صورت دیکھی تھی اور صحرائی زندگی کو ترک کر کے "جس میں ثبات و قرار کا وجود ہی نہ تھا" اپنے لئے ایک ایسا نیا طریقہ اختیار کیا جس کا تعلق جاگیرداری اور امرا اور بادشاہی طاقتوں سے تھا اور جو حکومت بمقابل سیاست کے دین سے قریب تھی اس کو چھوڑ کر وہ حکومت اختیار کی جو بمقابل دین کے سیاست سے قریب تھی یعنی جس حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں تھیں اس کو مٹا کر ایک ایسی حکومت کی بنا ڈالی کہ جس کے تمام ادارے منظم اور تمام عصری اسباب و آلات سے بہرکز قوی رہے۔ اور آیندہ آنے والوں کے لئے عربی تمدن کا درخشاں چراغ شمع ہدایت بن جائے (اور یہ ثابت کر دے کہ) جس زمانہ میں اہل یورپ جہل و تاریکی میں پڑے ہوئے تھے عربوں نے اس رشتہ (تمدن) کو از سر نو جوڑ دیا۔

معاویہ ابن ابی سفیان نے جدید تمدن کی فضا پیدا کر دی جس میں مذہبی خاندانی اختلافات۔ اور شخصی نظریے نے کوئی رخنہ پیدا نہیں کیا تھا۔

اور وہ اپنے تمام عادات و خصائل۔ تجربات و تدابیر بلکہ سخت گیری اور ظلم سے اس لئے راستہ کوطے کر رہا تھا۔

معاویہ کا یہ مقصد تھا کہ ہر وسیلہ و ہر قیمت پر اپنا مطلوب حاصل کرے۔ چاہے کتنی ہی خونریزی ہو اور کتنے ہی حقوق پامال ہو جائیں۔ لیکن یہ ایسا نظریہ ہے کہ ایک ہزار سال گذرنے کے بعد ایک مورخ "علم الاجتماع" کی روشنی میں معاویہ اور ابوذر کے حالات کا موازنہ کرنا چاہتا ہے۔ درآنحالیکہ اس میں مطلق کسی تردید کی گنجائش نہیں ہے کہ اس وقت کے حوادث پر نظر کرتے ہوئے آیندہ کے یہ خیالات نہ ابوذر کے ذہن میں تھے اور نہ معاویہ کے۔

معاویہ کی زندگی کا اثر غیر مستقیم طور سے تمام اجتماع عرب پر پڑ رہا تھا۔ انہوں نے تمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر غریبوں کے حقوق میں دست اندازی کی اور اپنے ذہن میں یہ سمجھ رہے تھے کہ ایک نئی عرب حکومت بنانے کے لئے پہلا قدم اٹھا رہے ہیں۔

جب کہ ابوذر ظلم دیکھ کر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور پامال شدہ حق کا پتہ لگا کر اس کے مطالبہ کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جابر امراء اپنے محلوں کی تعمیر کے لئے بھوکے غربا کی برہنہ پیٹھوں پر پتھر اٹھوا رہے ہیں تو ان پر اعتراض کیا۔

ایک مرد شریف و عامل کی حیثیت سے ابوذر کو حق تھا کہ ان مظالم پر اعتراض کریں۔ اس وقت ان کے خیال میں مطلق یہ بات نہ تھی کہ جو محل اس وقت اس طرح سے

بنائے جا رہے ہیں ہی آیندہ کسی زمانہ میں عرب کے تمدن کا نمونہ ثابت ہوں گے۔ اور نہ ان کے بنانے والوں کے ذہن میں اس نے یہ خیال کیا تھا کہ اس تمدن کا سایہ مشرق و مغرب عالم پر پڑے گا۔

ایک جواں مرد انسان اور پیش قدم مجاہد کی طرح ابوذر اپنا مقصد حاصل کرنے کی فکر میں پڑھ رہے تھے اور کوئی نیا خیال ان کے ذہن میں نہ تھا۔ اسی طرح معاویہ کی شخصیت سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ بڑی سلطنت کی بنا پیش نظر ہے چاہے وہ ہاتھ جو اس سلطنت کی بنا کر رہے ہیں غربا کے خون سے آلودہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اب ہم کو چاہیئے کہ ان دو بزرگوں اور گزری ہوئی ہستیوں سے سبق لے کر اپنے موجودہ اجتماع کو عدالت و مساوات کی راہ پر چلانے کے لئے ان کی روش سے استفادہ کریں۔

ابوذر کی گفتگو

اے بے علم۔ علم سیکھ۔ جس دل میں علم کا شوق نہ ہو وہ اس خالی گھر کے مثل ہے جس کا بنانے والا نہ ہو۔

اے علم حاصل کرنے والے یہ زبان نیکی اور بدی کی کنجی ہے لہذا اپنے منھ پر مہر کر جس طرح اپنے صندوق اور کاغذ (لفافہ) پر مہر کرتا ہے۔

خدا نے تجھ کو برتری دی۔ تجھے انسان پیدا کیا۔ لہذا خود کو چوپایہ اور درندہ نہ بنا اور پیٹ بھرنے اور زیادہ کھانے سے پرہیز کر۔

احادیث شریف جو ابوذر سے منقول ہیں۔

اسد للغابہ میں اپنی سند سے پیغمبر جبرئیل دربارگاہ احدیت۔ فرمایا۔

(۱) اے میرے بندو میں نے اپنی ذات پر ظلم حرام کیا ہے (ظلم نہ کروں گا) اور تمہارے لئے بھی ظلم حرام کیا ہے۔ لہذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔"

(۲) "مستدرک" میں اپنی سند سے۔ صدقہ ابن عمران ابو حطان سے روایت ہے کہتے ہیں "میں ابوذر کے پاس گیا۔ وہ ایک سیاہ چادر لپیٹے ہوئے مسجد میں تنہا بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا" اے ابوذر تنہائی کیا چیز ہے" کہا" میں نے پیغمبر سے سنا ہے ہمنشیں سے بہتر ہے اور نیک ہمنشیں بہتر ہے تنہائی سے۔ اچھی بات کہنا بہتر ہے خاموشی سے اور خاموشی بہتر ہے بری بات کہنے سے ہے۔"

(۳) "کتاب طبقات کبیر" میں اپنی سند سے ابوذر نے کہا" میرے حبیب (پیغمبر) نے وعدہ لیا ہے کہ" جس مال میں بخالت کی جائے چاہے سونا ہو یا چاندی تو وہ اس کے مالک کے لئے دہکتی ہوئی آگ ہے یہاں تک کہ اس مال کو راہ خدا میں دیدے" اور فرمایا کہ" جو شخص سونا یا چاندی جمع کر کے اس میں بخالت کرے یعنی حسب احکام الہی (ذوی القربیٰ) یتیموں اور مسکینوں وغیرہ کو نہ دے تو وہ مال اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ ہو جائے گا۔

ابوذر اور پیغمبر کے سوالات اور جوابات

"خصائل اور معنیٰ الاخبار" میں اپنی سند سے۔ ان بہت سے وصایا میں سے جو پیغمبر نے ابوذر سے کئے۔ ہم یہاں ابوذر سے یہ چند سوال و جواب روایت کئے ہیں۔

میں نے کہا کہ "اے پیغمبر خدا مومنین میں سے کس مومن کا ایمان بہتر ہے"؟

"جو سب سے زیادہ نیک ہو۔"

"کون سب سے زیادہ نیک ہے؟"

"جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو نقصان نہ پہونچے۔"

"کس چیز سے دوری بہتر ہے"

"گناہوں سے۔"

پیغمبر علیہ السلام کی وصیتیں ابوذر سے

"تم کو جہاد کرنا چاہیے کیونکہ جہاد میری امت کی رہبانیت ہے"۔

فقراء کو دوست رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو۔

اپنے اہل قرابت سے قریب رہو اگرچہ وہ تم سے دوری اختیار کریں

خدا کی راہ میں کسی کے ٹوکنے سے نہ ڈرو۔

حق کہو اگرچہ تلخ ہو۔

قریب سے زیادہ وہی آگ میں ڈالے جائیں گے جو تکبر کرتے ہیں۔

جس کے پاس دو لباس ہوں ایک اپنے بھائی کو پہنا دے۔

راستی بس یہی ہے کہ جو کچھ اپنے میں نہیں جانتے وہ دوسروں میں جانیں یا جو خود کرتے ہیں وہ دوسروں میں دیکھیں۔ تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ محفوظ رہنے سے بڑھ کر کوئی پاکدامنی نہیں اور نیک خوئی سے بہتر کوئی زینت نہیں۔

پیغمبرکی چند طولانی وصایا سے بعض وصیتیں

طبرسی نے ان وصایا کو "مکارم الاخلاق" میں اور شیخ طوسی نے اپنے اسناد سے ابی ابن حرب ابن ابی الاسود دوئلی سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اسے ابوذر میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو یاد رکھو اور عبادت کرو تاکہ دنیا اور آخرت میں سبک بار رہو۔ اے ابوذر دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ اُن سے دھوکا کھاتے ہیں۔ ایک صحت جسمانی اور دوسرے فراغ بالی۔ یعنی یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ انسان ان سے فریب میں آجاتا ہے۔ اور ان کو غنیمت نہیں جانتا یہاں تک کہ وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اس کے بعد سوائے حسرت وندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بعض احادیث میں بجائے "مغبون" کے "مفتون" آیا ہے۔ یعنی صحت و فراغ بالی کی قدر نہ کیے تو انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ اے ابوذر۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو اور اُن کی قدر کرو (۱) پیری سے پہلے جوانی کی قدر کرو۔ جب بڑھاپا آجائیگا تو پچتاوگے کہ کاش جوانی میں عبادت کرلی ہوتی (۲) بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت جانو کیونکہ صحت کی حالت میں جو کچھ کرسکتے تھے مرض میں ممکن نہ ہوگا اور اس وقت ندامت کچھ فائدہ نہ دے گی (۳) فقر سے پہلے تونگری کو غنیمت جانو کیونکہ افلاس میں مبتلا ہونے کے بعد یہ خیال کرنا کہ میرے پاس اس وقت کچھ ہوتا تو میں خدا کی راہ میں

دیتا۔ اب یہ تاسف کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور ممکن ہے کہ اس فقر و تادوای کی فکر میں مبتلا ہو کر خدا کی عبادت نہ کر سکو (۴) مشغولیت سے پہلے فرصت کو غنیمت جانو " یعنی فرصت کو غنیمت جان کر خدا کی عبادت کر لو (۵) موت سے پہلے حیات کو غنیمت سمجھو۔ کیونکہ موت کے ساتھ ہی دار عمل ختم ہے۔ وہاں عمل کا خیال سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ فائدہ نہ دے گا۔

اے ابوذر اس امید پر کہ ابھی زندہ رہوں گا نیک عمل کو تاخیر میں نہ ڈالو کیونکہ جس وقت تک تم زندہ ہو بس وہی وقت تمہارا ہے۔ اگر کل نہ رہے تو سوائے حسرت و ندامت کے تم کو کیا ملے گا۔ یعنی جو وقت تم کو مل جائے تم اس کو اپنی عمر کا آخری وقت سمجھ کر جو کچھ نیک کام کر سکتے ہو کر لو۔ اے ابوذر کتنے ایسے لوگ گذرے جن کو آنے والے کل کی امید تھی لیکن آج کا دن ختم ہونے سے پہلے وہ خود ختم ہو گئے۔ اے ابوذر۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو آنے والے کل کے منتظر رہتے ہیں لیکن وہ کل کا دن انہیں دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ اے ابوذر۔ اگر تم دیکھ سکو کہ زندگی کے دن کس قدر تیزی سے گذر رہے ہیں اور تمہاری موت کا مقررہ دن کس تیزی سے تمہاری طرف بڑھ رہا ہے۔ تو تم اپنی آرزو اور تمنا کو دشمن رکھو گے (جو کچھ نیک عمل کرنا چاہتے ہو فوراً کر لو اور ہرگز کل کی امید پر نہ چھوڑو گے) اور کل زندہ رہنے کے فریب میں مبتلا نہ رہو گے۔

اے ابو ذر! دنیا میں مسافر کی طرح بسر کرو۔ جب مسافر منزل پر پہونچتا ہے تو اس منزل کو اپنا وطن نہیں سمجھتا بلکہ صرف ایک شب کے لئے وہاں مقام کرتا ہے (یعنی دنیا مسافر خانہ ہے اور انسان کی دوامی منزل قبر ہے)

اے ابو ذر جب صبح کو اٹھو تو اپنے ذہن میں شام کا خیال نہ لاؤ۔ اور نہ اس شام کو اپنی زندگی کے ایام میں شمار کرو۔ مرنے سے پہلے زندگی سے فائدہ اٹھا لو کیونکہ تم کو معلوم نہیں کہ تمھارا شمار کل مردوں میں ہوگا یا زندوں میں۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کے دن تمھارا نام نیکوں میں ہوگا یا بروں میں۔ اے ابو ذر! اس کا خیال رکھو کہیں دنیا کی فکر میں آخرت سے غافل نہ ہو جاؤ۔ اگر اسی عالم میں مر جاؤ تو پھر تم کو دنیا میں واپس ہوکر آخرت کے کام ٹھیک کرنے کی اجازت نہ ملے گی۔ اے ابو ذر! اگر تم نے اپنے ورثہ کی خاطر کچھ مال جمع کر کے چھوڑا تو وہ تمھاری تعریف نہ کرینگے دراں حالیکہ اس مال کے جمع کرنے میں تم نے جو کچھ وقت صرف کیا اُتنا وقت خدا کی یاد سے غافل رہے۔ اور جب خدا کے سامنے جاؤ تو خدا تمھارا یہ عذر قبول نہ کرے گا۔

اے ابو ذر! جب انسان کو کسی چیز سے غیر معمولی خوف ہوتا ہے اس کو نیند نہیں آتی۔ اور آتش جہنم سے زیادہ انسان کو خوف دلانے والی کونسی چیز ہے۔ لیکن میں نے کسی کو جہنم سے خوف کرتے ہوئے نہیں دیکھا کیوں کہ وہ

اس طرح سوتے ہیں جیسے اُن کو کسی چیز کا خوف ہی نہیں ہے۔ اور اسی طرح بہشت سے زیادہ انسان کو کسی چیز کی آرزو و تمنا نہیں ہے۔ جس کو بہشت ایسی چیز حاصل کرنے کی تمنا ہو کیا مارے خوشی کے وہ سو سکتا ہے لیکن میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ بہشت کی تمنا میں وہ رات بھر نہ سویا ہو۔ اے ابوذر! درہم و دینار سے زیادہ عمر میں بخالت کرو۔ خدا کے پاس بدترین عالم وہ ہے جو اپنے علم سے خود فائدہ نہ اٹھائے۔ اور جو اس لئے علم حاصل کرے کہ لوگوں کو اپنے پاس جمع کرے بہشت کی بُو نہ سونگھیگا۔ اور جو لوگوں کو فریب دینے کے لئے علم سیکھیگا وہ بھی بہشت کی بو نہ سونگھیگا۔ اگر تم سے سوال کیا جائے اور تم نہ جانتے ہوں تو کہدو " میں نہیں جانتا" تاکہ اس کے نتائج سے نجات پاؤ۔ اگر (مسئلہ) سے واقف نہ ہو تو فتویٰ نہ دو تاکہ قیامت کے دن خدا کے عذاب سے محفوظ رہو۔ بہشتیوں کی ایک جماعت جہنمیوں کے ایک گروہ سے کہے گی کہ " ہم تمہاری تربیت اور تادیب کی وجہ سے مستحق بہشت ہوئے۔ یہ تمھیں کیا ہو گیا کہ جہنم میں جھونک دیئے گئے " وہ کہیں گے کہ " ہم دوسروں کو نیک کاموں کی ہدایت کرتے تھے اور خود اُس پر عامل نہ تھے "۔ جس کا (نیک) قول و فعل مطابق ہو اسی نے اپنا حصہ پا لیا اور جس کا قول و فعل مطابق نہ ہو وہ اپنے آپ کو سرزنش کرتا ہے۔ جس چیز (یا کام) میں دخل نہ ہو اس کو چھوڑ دو۔ اور جو چیز تمہارے کام کی

نہ ہو اس کے لئے کچھ نہ کہو۔ اپنی زبان کو اپنے قیمتی کاغذ کی طرح محفوظ رکھو سخت دل خدا سے دور ہے مگر وہ نہیں جانتا۔

ہوشیار وہ ہے جو اپنے کو پست سمجھ کر آیندہ کے لئے کام کرے اور کم زور وہ ہے جو نفس کی خواہشوں کی پیروی کر کے خدا پر تہمت لگائے (جھوٹ کہے) ایک شخص نیک کام کر کے اس کے بھروسے پر چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اصرار کر سکے۔ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو خدا اس پر غضبناک ہوتا ہے اور ایک شخص گناہ کر کے اس سے باز رہتا ہے۔ پس قیامت کے دن امن (اور سلامتی) کے ساتھ وہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ اے ابوذر! بندہ گناہ کر کے اس گناہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہوگا۔ ابوذر نے عرض کی تیرے ماں، باپ قربان ہوں یہ کیسے ممکن ہے" ارشاد ہوا " ہاں اے ابوذر! وہ گناہ اس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے وہ اس سے توبہ کر کے خدا سے ملتجی ہوتا ہے اور خدا (اس کو عفو کر کے) داخل بہشت کر دیتا ہے۔

اے ابوذر! خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن علم (نشان) کاندھوں پر لئے ہوئے سب سے آگے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا) میں نماز کے لئے سب سے پہلے مساجد میں داخل ہوتے تھے۔ اے ابوذر! نماز ستون دین ہے مگر زبان اس سے بڑی ہے (یعنی شہادتین و عقائد حقہ کا زبان پر جاری کرنا مقدم اور نماز سے افضل ہے۔ اور اس کے بعد اعضاء

وجوارح کا عمل نماز ہے" یہ اشارہ ہے اس آیت کی جانب (۱)
(ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر)
اے ابوذر! صدقہ گناہوں کو نابود کرتا ہے اور زبان اس سے بڑی ہے (یعنی خیرات و میرات کے متعلق جو احکام زبان سے دئے جاتے ہیں ان کو سننے کے بعد لوگ ان احکام پر عمل کرتے ہیں)

مال کی دوستی اور برتری کا تصور) ایک مرد دین دار کو یہ دو چیزیں اس طرح نقصان پہنچاتی ہیں جیسے دو تیز دانت والے بھیڑیئے بکروں کے گلہ میں داخل ہوکر شام سے صبح تک ان کا صفایا کردیں۔ جو چیز سڑ جاتی ہے اس کی دوا نمک ہے اور اگر نمک سڑ جائے تو اس کی دوا نہیں ہے (یہ فاسد اور دنیا پرست علماء کی مثال ہے) زیادہ بات مت کرو صرف اتنا ہی کہو کہ تمھاری ضرورت پوری ہو جائے۔ پرہیزگار وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ اس طرح کرے جیسے دو شریک تجارت اپنے حسابات کی جانچ کرتے ہیں (یعنی) کہاں سے کھاتا ہے۔ کہاں سے پیتا ہے۔ کہاں سے پہنتا ہے۔ حلال سے یا حرام سے۔ جو شخص یہ خیال نہ کرے تو خدا بھی اس کے لئے اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس کو جہنم میں کس راہ سے داخل کرے۔

خاتمہ

صفحہ	پیراگراف	حواشی
۳۴	۱	یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ پیغمبرؐ نے قیصر و کسریٰ کی نسبت ایسے الفاظ فرمائے ہوں۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کو ایسے الفاظ سے مخاطب فرمایا ہو۔ بلکہ ان روایتوں کے بموجب۔ اس حکم کا یہ حصہ ہر اس شخص سے متعلق ہے جو لوگوں کو اپنی پرستش کے لئے بلا رہا ہو (۱) مَا كان لبشر ان يؤتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لي من دون الله۔ (ترجمہ) جس کو خدا نے کتاب۔ فصل خصومات کی قابلیت اور نبوۃ دی ہو اس کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ خدا کو چھوڑ کر میری پرستش کرو (۲) قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله۔
۳۵	۱	انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله

صفحہ	سطر	حواشی
		واللہ عزیز حکیم
۳۷	۱	چونکہ مؤلف محترم کو اپنے مضمون (واقعات خلافت عثمان) کی داغ بیل ڈالنی منظور ہے اس لئے انہوں نے یہیں سے عثمان کی خود مختاری اور ڈکٹیٹری کا ذکر چھیڑ دیا" جس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہت برا نکلا"۔ لہذا ان کو حق ہے کہ ابوبکر اور عمر کے حق میں جو چاہیں فیصلہ صادر فرمائیں۔ لیکن جن کو ہلدی تحریر سے سروکار ہے وہ جانتے ہیں کہ ابوبکر اور ان کے پیروؤں کو عمداً یا سہواً بعض شبہات سے دوچار ہونا پڑا اور یہی شبہات مسلمانوں کے اختلافات کا باعث ہوئے۔ البتہ ہمکو اس سے انکار نہ کرنا چاہیئے کہ پیغمبر کے بعد نو تبیا دکشور اسلامی میں اختلافات شروع ہوگئے تھے۔ خود شہر (مدینہ) کے اندر اور بیرون شہر مرکز کے خلاف مقابلے شروع ہوگئے۔ ہم نے کتاب "جنایات تاریخی جلد اول" اور "فاطمہ دختر محمدؐ" میں لکھا ہے کہ "چند سرداران قبائل ایسے بھی تھے کہ اسلام کی حیرت ناک ترقی دیکھ کر پیغمبر اسلامؐ کے احکام کے تابع ہوگئے۔ جب وہ اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو ان نو مسلموں نے چاہا کہ اسلام کو اپنے شخصی فوائد کا آلہ کار بنالیں۔ یعنی وہ خیال کر رہے تھے کہ محمدؐ نے جو نقشہ ڈالا تھا۔

حواشی	حاشیہ	صفحہ
اس پر عمل کر کے وہ بادشاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جس کو موقع ملے نبوت کا دعوی کر کے مسند شاہی پر جلوہ افروز ہو جائے۔ چنانچہ اسی بنا پر بعضوں نے دعوائے پیغمبری کیا، بعض نے زکواۃ (یا ان کے عقائد کے موافق باج) دینے سے انکار کر کے مدعیان نبوت کے ساتھ ہو گئے اور چند یہودی بھی ان میں شامل ہو گئے۔ بہر حال شہر کے باہر مرکزی حکومت کے خلاف یہ ہنگامہ آرائی تھی۔ اور خود شہر (پایۂ تخت اسلامی) میں ایک جماعت دوسری جماعت کے خلاف کھڑی ہو گئی۔ انصار کی جماعت اپنے رئیس سعد ابن عبادہ کو ساتھ لئے ہوئے سقیفۂ بنی ساعدہ میں پہونچی باوجودیکہ وہ بیمار تھے۔ مہاجرین نے پہلے سے کوئی نقشہ نہیں بنایا تھا لیکن انصار کی مخالفت میں کھڑے ہونا انھوں نے ضروری سمجھا۔ گو ابو بکر و عمر مہاجرین سے تھے مگر وہ پہلے پہل سقیفہ میں داخل نہیں ہوئے۔ تیسرا گروہ بنی ہاشم اور پیغمبر کے بعض مخصوص اصحاب کا تھا جو علیؑ کی موافقت میں تھا۔ یعنی حسب وصیت پیغمبرؐ علیؑ خلیفہ بلافصل ہیں (ابوذر اسی گروہ کے شریک تھے) ان واقعات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر کسی گروہ یا		

حواشی	نمبر حاشیہ	صفحہ
جماعت کی جانب سے امیدوار خلافت نہ تھے اور نہ پہلے سے کوئی نقشہ ترتیب دیا تھا۔ بالفرض اگر کوئی نقشہ بنایا بھی ہو تو اس سے صرف عمر واقف تھے یا زیادہ سے زیادہ ابوعبیدہ جراح واقف ہوں گے۔ ہاں جب ابوبکر ان دونوں کے ہمراہ سقیفہ پہونچے تو مہاجرین وانصار کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاکر اکثریت حاصل کرلی اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ خلاف توقع اُن کی خلافت قائم ہوگئی جیسا کہ اپنے بعض تقاریر میں عمر نے اس جانب اشارہ کیا ہے۔ (کانت بیعت ابی بکر فلتۃ قد وقی اللہ شرھا) لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس جلد بازی سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا باہمی اختلاف مٹ گیا۔ اس کا جواب صاف یہی ہے کہ "نہیں" کیونکہ انھیں اختلافات کے نتائج یہی ہیں جو آج ہم دیکھ رہے ہیں اور وہی اختلافات اب تک چلے آرہے ہیں۔ ہم کو از روئے انصاف کہنا پڑے گا کہ مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ابوبکر کو چند اہم مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ جن میں سب سے زیادہ فاطمہؑ کی سیاسی تقریر تھی۔ ابوبکر نے اس سے پورا پورا استفادہ کرتے ہوئے شخصی مناقشوں سے		

صفحہ	نمبر حاشیہ	حواشی
		شرق تعلر کرکے مرکز خلافت کو فائدہ پہونچانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسامہ ابن زید کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا تاکہ بیرونی شورشوں کو پہلے دفع کر دیا جائے۔ مترجم فارسی
۳۷	۲	یہ کمک خواہی تقیفہ کے روز نہ تھی کیونکہ جتنا وقت تقیفہ میں گزرا علیؑ پیغمبر کے غسل وکفن ودفن میں مشغول رہے بلکہ یہ کمک خواہی ابوبکر کی خلافت کے چند روز بعد انجام پائی۔
۳۸	۱	شاید مولف کا منشا اس سے ابوسفیان ہو۔
۳۸	۲	چنانچہ جلد اول جنایات تاریخی میں ہم نے لکھا ہے کہ "سنی وشیعہ کے معتبر ترین مورخین کے حوالوں سے ثابت ہے کہ علیؑ خود کو سب سے زیادہ خلافت کا سزاوار سمجھتے تھے اس لئے مخالفین کے دعووں کا دفاع کرکے اپنے حق کا مطالبہ کرتے رہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ باوجود اس کے بھی بغیر قوت استعمال کئے حق نہیں مل سکتا اور اس کی انتہا بہت بڑے نقصان کا موجب ہوگی تو آپ نے نہایت کراہت کے ساتھ بیعت کرلی"۔
۳۸	۳	یہاں مؤلف محترم کو بہت بڑا شبہ ہوا ہے۔ کیونکہ کتاب "الامامۃ والسیاست اور دوسری کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ جب علیؑ اپنے

صفحہ	سطر	حواشی
		حق کے مطالبہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنے حقوق ثابت کئے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ پہلے ہی سے کہتے تو ہم آپ ہی کی بیعت کر لیتے۔ اب کیا کریں۔ بیعت کر لینے کے بعد پھر اوس کو توڑ دینا عرب کے لئے بہت دشوار ہے" مترجم فارسی۔
		کاش زبیر ابن العوام، طلحہ ابن عبید اللہ اور عبد اللہ ابن زبیر نے جنگ جمل سے قبل اس پر غور کر لیا ہوتا۔ مترجم اردو۔
۴۱	۱	یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص تمام اختلافات کو زندہ کرنے کے لئے قدم اٹھائے اسکو سب سے زیادہ عادل سمجھا جائے۔
۴۲	۱	یہاں امتیازات کا ذکر ہے کیا کیا جائے۔
۴۵	۱	یعنی اس قدر بے لیاقت تھے کہ باوجود اس تعلق کے جو ان کو بیٹے سے ہوتا ہے تمھاری ماں نے سوائے گدھے چرانے کے اور کوئی کام تم سے نہیں لیا۔
۴۸	۱	مولف محترم نے ان چند سطور میں کئی جگہ (سلطنت اسلامی) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ ان کا ذاتی تصور ہے۔ تباہی کا خیال کیسا اسلام نے تو اپنے لئے جداگانہ آبادی بھی پسند نہیں کی اور وہ اس جدائی کا ہمیشہ مخالف رہا۔ جو دین کی جماعت بندی

حواشی		صفحہ
اور نسلی فرق کو مٹاتے ہوئے کہہ رہا ہو کہ " عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر فخر نہیں ہو سکتا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شاہی حکومت کی بنا ڈالے ۔ اور وہ ابوذر کہ جو دوسروں کو اخوت و مساوات کی طرف بلا رہے تھے وہ اس سے خائف ہوں کہ " کہیں عربوں کے ہاتھوں سے حکومت نکل کر دوسروں کے ہاتھ میں نہ چلی جائے جو عربوں کے زیر اثر رہے ہیں " کسی کے زیر اثر رہنا اسلام میں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ہے ۔ کیونکہ مسلمان احکام خدا کا مطیع ہوتا ہے ۔ لہذا ایک ملت اسلامی کا دوسری ملت اسلامی کے زیر اثر ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ۔ اسلام نے شاہی کی بنا ہی نہیں ڈالی جس کی بہترین دلیل قرآن کی وہ آیتیں ہیں جو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کے بارے میں پیغمبر پر نازل ہوئیں ۔ اور ایک جگہ خدا فرما رہا ہے " ما محمد الا رسول " (ترجمہ) محمد نہیں ہے مگر رسول ۔ کہیں یہ فرمایا " ما ارسلناک الا رحمۃ " لہذا اپنی ذاتی رائے کو اسلام یا ابوذر سے منسوب کر کے ان کو استعماری حکومت کا بانی کہہ دینا ایک منصف مورخ کی شان سے بعید ہے ۔ مترجم فارسی ۔		

صفحہ	حاشیہ	حواشی
۵۱	۱	مسعودی نے مقداد کی جائداد میں صرف ایک عالیشان مکان لکھا ہے
۵۲	۱	"فئی" اس کو کہتے ہیں کہ "کفار کی زمینیں جو جنگ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں اور اسی طرح جنگ کی لوٹ میں مال غنیمت ملے۔ مال منقولہ میں سونا اور چاندی اور دوسرا مال منقولہ بھی" فئی" میں داخل تھا" پانچواں حصہ (خمس) نکال دینے کے بعد یہ تمام مال مجاہدین اسلام پر برابر برابر تقسیم کردیا جاتا تھا۔ لیکن کار آمد بینات (جو جنگ میں حاصل کیے ہوں) تمام مسلمانوں کی ملک متصور ہوتی تھیں اور پیغمبر اکرم ان کی آمدنی (مالگذاری) کو عام مصارف میں خرچ کرتے تھے۔ بجائے اس کے کہ مال غنیمت منقولہ ہو یا غیر منقولہ مسلمان سپاہیوں پر تقسیم کیا جائے۔ معاویہ نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے اس پر قبضہ کرلیا اور کچھ حصہ مسلمان سپاہیوں کو دیدیا جاتا تھا۔ پس معاویہ کے ساتھ ابوذر کی مخالفت کی وجہ یہی تھی کہ اس نے سپاہیوں اور عام مسلمانوں کے حقوق غصب کرلئے تھے۔ لیکن کفار کی جو زمینیں بغیر جنگ کے ملیں وہ پیغمبر کے خالصہ (صرف خاص) میں محسوب ہوتی تھیں۔
۵۳	۲	اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چند معینہ اشخاص نے دو سو کے

صفحہ	سطر نمبر	حواشی
		حقوق واجبی و شرعی غصب کرکے ان کو گدائی پر مجبور کردیا۔ اور ابوذر اسی سرمایہ داری کے مخالف تھے۔
۵۲	۳	جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرکے خدا کی راہ میں نہیں دیتے اُن کو عذاب دردناک کی بشارت دو۔ جس دن سونا اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپا کر ان کی پسلیوں اور پیشانیوں کو داغا جائے گا۔ یہی وہ چیز ہے جو تم نے ذخیرہ کی تھی اب اس کا مزا چکھو۔ مترجم فارسی۔
۵۸	۱	عام زمینیں جو سب مسلمانوں کی ملک ہیں۔
۶۶	۱	پھر بھی شکر کی جگہ ہے کہ خلیفہ نے قبول کرلیا کہ ان کے پاس مال حرام بھی تھا۔ جبکہ ابوذر کے لئے روانہ کیا ہے وہ مال حرام نہیں ہے لیکن خلیفہ کے جانشین عملاً اس کے مدعی ہیں کہ "حرام وہ ہے جو حلق سے نیچے نہ اترے"۔
۶۸	۱	آپ نے گذشتہ صفحات پڑھ کر ابوذر کو سمجھا اور پوری کتاب پڑھ کر ان کو پہچانیں گے کہ اس عظیم انسان مرد روحانی نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اُمیوں کی روک تھام اور اپنی تمام عمر غربا کی مدد میں بسر کردی۔ سب سے زیادہ علیؑ کی یہ روایت اس مرد روحانی کی عظمت و زندگی کو ثابت کرتی ہے کہ ابوذر ایسے عالم ہیں کہ لوگ ان کے علم سے عاجز ہیں۔

صفحہ	نمبر حاشیہ	حواشی
		اس روایت کے معنی آج تک کسی کی سمجھ میں نہ آئے کہ اس ارشاد سے حضرت کا کیا مطلب تھا۔ (مترجم اردو) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "درختوں نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچ کہنے والا ہو"۔ ابوذر وہ عالم ہیں کہ عثمان کی بدعنوانیوں کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور دین کے پیشواؤں کے حکم کے موافق کہ "جب بدعتیں آشکار ہوں تو عالم کو چاہیئے کہ اپنا علم ظاہر کرے ورنہ اس پر خدا کی لعنت ہو"۔ ابوذر نے اس وقت اپنا علم ظاہر کیا۔ بہرحال اس عظیم المرتبت شخص کی روحانیت یہ تھی۔ اب ہم آپ کو ایک دوسری روحانی شخصیت سے تعارف کراتے ہیں جو اپنے کو ابوذر کا مدمقابل جانتا تھا اور ان کے فتوے کے مقابلہ میں خود بھی فتویٰ دیتا تھا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس کی روحانیت کے متعلق مؤلف محترم نے کچھ لکھا تو نہیں البتہ اس کا نام "کعب الاحبار" بتلایا ہے۔ ہم اپنی سابقہ تحریروں میں بارہا توجہ دلا چکے ہیں کہ اسلام کے دور اول کے مورخین نے اس عہد کے لوگوں کے تمام حالات اس طرح جمع نہیں کئے جیسا کہ کرنا چاہیئے تھا خصوصاً جن کی کارگزاری اس عہد کی لڑائیوں سے روشن ہے۔ لہٰذا پیغمبر کے اکثر اصحاب کے حالات تاریکی میں ہے کہ

حواشی		صفحہ

جس سے بہت سی مشکلیں پیدا ہوگئیں۔ منجملہ ان کے ایک کعب الاحبار ہے جس کے حالات زندگی بالکل راز میں ہیں۔ باوجود اس کے ہم نے نہایت جستجو کے ساتھ اس کے حالات جمع کرکے پورے ثبوت کے ساتھ پیش کئے ہیں جس سے اس یہودی مسلک اور بظاہر مسلمان کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ مورخین اہل سنت اس پر تیار نہیں ہیں کہ خلیفہ عثمان ابن عفان کے وزیر مشاورت جناب آقای کعب الاحبار کی شان میں جسارت کریں۔ کیونکہ وہ اس کو حقیقت میں مسلمان سمجھتے ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ خود انھیں کے علماء نے اس شخص کے متعلق جو قصے لکھے ہیں ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ آخر عمر تک یہودی رہا۔ صرف خلفائے وقت کی قربت اور ان کی مصاحبت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کہتا تھا کہ "میں مسلمان ہوں"

کعب ابن مانع مشہور بہ "کعب الاحبار" (ابو اسحٰق) یہودی زادہ ہے۔ یمن میں پیدا ہوا۔ پیغمبر کے آخر زمانہ حیات میں مدینہ آیا لیکن عمر کے عہد خلافت تک اسلام قبول نہیں کیا۔ "اسد الغابہ جلد دوم"۔ لیکن عمر کی خلافت کے زمانہ میں اس کا اسلام لانا ایک پر لطف قصہ ہے۔ ابن حجر عسقلانی "تہذیب التہذیب جلد ۸

حواشی	سطر	صفحہ

صفحات ۴۳۸ و ۴۳۹ "پر لکھتے ہیں کہ "کعب سے پوچھا گیا کہ"
کیوں ابتک مسلمان نہیں ہوئے؟" اس کے جواب میں کعب نے جو
قصہ بیان کیا مولف محترم نے اپنی دوسری کتاب "الاصابۃ فی
تمیز احوال الصحابہ۔ جلد ۳ صفحات ۳۲۲ و ۳۲۳" پر اس طرح لکھا ہے
"عباس نے کعب سے پوچھا کہ پیغمبر اور ابوبکر کے زمانہ میں کیوں
مسلمان نہیں ہوئے" کعب نے کہا "میرے باپ نے بطور
توریہ ایک تحریر میرے حوالے کرکے کہا کہ "اس پر عمل کرو" اور چند
خطوط پر مہر کرکے مجھے حق پدری کی قسم دی کہ ان خطوط کو نہ کھولوں۔
جب میں نے اسلام کی ترقی دیکھی تو خیال کیا کہ شاید میرے باپ نے
مجھ سے کوئی علم پوشیدہ رکھا ہے۔ میں نے وہ خط پڑھا۔ اس میں
محمدؐ اور ان کی امت کے لوگوں کے اوصاف لکھے تھے اس لئے میں
مسلمان ہوگیا۔" اس جواب کو خوب غور سے پڑھئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ
اس شخص کا مکر و فریب ثابت کرنے کے لئے خود اسکا یہ جواب ہی کافی ہے۔
کعب کے باپ نے چند خطوط بطور توریہ کے لکھے۔ ایک اس کے حوالہ
کیا کہ "اس کو پڑھ کر اس کے موافق عمل کرو" اور جن خطوط میں پیغمبر
کا ذکر تھا ان پر مہر کرکے حقوق پدری کی قسم دی کہ ان کو ہرگز نہ کھولنا۔

حواشی	حاشیہ نمبر	صفحہ
اب دریافت طلب یہ ہے کہ جس خط میں بطور "توریہ" کے محمدؐ کی تعریف کر کے اس کے پڑھنے کی اجازت کعب کو دی تھی کیا وہ اس توریہ کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اور اگر یہ ایسا راز تھا کہ جس سے کعب کو واقف ہی نہ ہونا چاہیئے تو لکھا کیوں۔ اور اس پر لطف یہ کہ ان پر مہر کر کے تاکید کرتا ہے کہ یہ خطوط نہ پڑھنا۔ یہ کیسے باور کیا جائے کہ ایک مرے ہوئے شخص کے خطوط کم از کم بیس سال تک سربستہ رہے اور وہ بھی ایک یہودی کے پاس۔ اور سب سے زیادہ قابل غور یہ ہے کہ جب اسلامی ترقی شروع ہوئی تو اس وقت کعب کو یہ خیال کیوں نہ پیدا ہوا۔ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جب کعب نے پیغمبر کے ظہور کی خبر یمن میں سنی تو آخر زمانہ میں مدینہ آیا۔ اس نے خیال کیا کہ ان کے بعد یہ نئی حکومت ختم اور پھر وہی مشرکین اور یہود کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ابوبکر کی خلافت کا زیادہ تر حصہ بیرونی شورشوں کے فرو کرنے میں گذر گیا۔ ایک طرف انصار۔ بنی ہاشم۔ اور۔ بنی امیہ بھی ابوبکر کی موت کے منتظر تھے۔ کعب سمجھ رہا تھا کہ ابوبکر کے بعد داخلی اختلافات سے دوچار ہو کر اسلامی حکومت ختم ہو جائے گی۔ لیکن صورت حال اس کے خلاف نظر آئی۔	۱۲۰	

حواشی	سطر	صفحہ
جب بیرونی ممالک فتح ہونے لگے تو کعب نے موقع کو غنیمت جان کر بارگاہِ خلافت سے قربت حاصل کرنے کے لئے اسلام قبول کر لیا۔ ان حالات سے ثابت ہے کہ کعب کبھی مسلمان نہیں ہوا۔ جب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتا تو قرآن کی آیتیں پڑھتا۔ اور۔ جب یہودیوں کے ساتھ رہتا تو کچھ اور ہی کہتا۔ یہ خود کعب کا مقولہ ہے کہ "خانہ کعبہ ہر روز بیت المقدس کو ایک مرتبہ سجدہ کرتا ہے۔" (تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۱۱۳) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کا یہ عقیدہ ہو اس کو ہم مسلمان سمجھیں۔ بیکاری میں کبھی کبھی کعب افسانے بیان کرتا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ پیغمبر نے منع فرمایا ہے تو چند روز کے لئے چھوڑ دیا۔ لیکن معاویہ نے جب شوق دلایا تو پھر شروع کر دیا (الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۹) اگر یہ شخص مسلمان تھا اور پیغمبر کے حکم کی بنا پر افسانہ گوئی کو ترک کر دیا تھا تو معاویہ کے شوق دلانے سے پھر شروع کرنا کیا معنی دراں حالیکہ اُس وقت معاویہ کے پاس حکومت بھی نہ تھی جس سے یہ خیال ہو کہ اس نے خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل کی بلکہ وہ (کعب) خود عثمان کی جانب سے عامل تھا۔		

حواشی	سطر	صفحہ

کعب مشہور جھوٹا تھا۔ چنانچہ خود معاویہ نے اس کی تصدیق کی ہے (الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۳۔ مجلسی کہتے ہیں کہ علیؑ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ کعب جھوٹ کہتا ہے ابن ابی الحدید نے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اور کہتے ہیں کہ کعب علیؑ کا مخالف تھا (تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۳۹) امام صادق علیہ السلام بھی کعب کو جھوٹا جانتے تھے (تنقیح المقال جلد ۲ صفحہ ۱۳۔

عثمان کے آخر دور خلافت میں کعب نے دیکھا کہ معاویہ کا ستارہ اقبال خاص چمک دمک رہا ہے تو شام روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے شہر حمص میں مر گیا جب کہ اس کی عمر ۱۰۴ سال کی تھی (سنہ ۳۵ یا ۳۲ ہجری) بہر حال کعب بظاہر متقیا اور روحانیوں کے زمرہ میں نظر آتا تھا۔ اس کے شاگرد بھی تھے جو اس سے روایت کرتے تھے لیکن اس نے اپنی روحانیت سے غلط فائدہ اٹھایا اور ہمیشہ علیؑ کا مخالف رہا۔ چنانچہ اس مناظرہ میں بھی اس نے عثمان کی موافقت کی اور وہ اس پر خوش ہوئے مگر ابوذر ہمیشہ اسلامی قوانین کے پابند رہے گو ان کو اہانت اور شہر بدری کی تکلیفیں بار بار اٹھانی پڑیں۔ مترجم فارسی۔

(توریہ کے لغوی معنی یہ ہیں "پوشانیدن و ظاہر کردن غیر انچہ

حواشی	نمبر حاشیہ	صفحہ
"در دل است" در علم بدیع یکے از محسنات معنویہ است کہ متکلم لفظی استعمال کند کہ دارائے دو معنی باشد۔ قریب وبعید است۔ ذہن سامع بہ معنی قریب رسد لیکن مراد قائل معنی بعید باشد لیکن مراد قائل معنی بعید باشد و ایں صنعت را ایہام ہم گویند)		
(ترجمہ) نیک عمل یہ نہیں ہے کہ اپنا منہ مشرق و مغرب کی جانب پھیرو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ خدا، قیامت، ملائکہ، قرآن۔ اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور خوشی سے اپنا مال خدا کی راہ میں اپنے اور پیغمبر کے اقرباء (چونکہ مفسرین نے یہاں اقرباء سے خود اپنے اور پیغمبر کے اقربا مراد لئے ہیں) یتیموں اور بے نواؤں کو اور ان مسافرین کو جو حالت سفر میں نادار ہو گئے ہوں۔ اور فقیروں کو اور کنیز و غلام کو آزاد کرانے کے لئے دیں۔ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور آپس میں جو عہد کیا ہوا اس کو پورا کریں اور جو فقر۔ مرض۔ اور۔ جنگ میں سختی کے ساتھ برداشت کریں۔ یہی لوگ سچے اور یہی رستگار ہیں۔	۲	۶۷
مسعودی نے یہ واقعہ ابوذر کے سفر شام سے قبل لکھکر اتنا اضافہ کیا ہے کہ" ابوذر نے کعب سے کہا کہ "جھوٹ کہتا ہے اے یہودی زادے" (مروج الذہب۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۳۶)	۱	۷۰

صفحہ	نمبر حاشیہ	حواشی
۷۴	۱	مسعودی کے قول کے موافق یہ مذاکرہ مروان اور خود علیؑ کے درمیان میں واقع ہوا۔
۷۴	۲	اس داستان کا بقیہ حصہ نہایت اہم ہے۔ مؤلف محترم نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس سے ان کا مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا۔ ہم قارئین کرام کی اطلاع کے لئے اس کا تکملہ لکھ دیتے ہیں۔ جب مروان نے عثمان سے اس واقعہ کا ذکر کیا جو اس کے اور علیؑ کے درمیان میں گذرا تھا تو عثمان نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ "جس نے میرے ملازم کو اس کے وظیفہ کی انجام دہی سے روکا اور اس کی توہین کی تو میں اس کے ساتھ کیا سلوک کردوں۔ بخدا اس کا بدلہ میں خود اسی کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔" جب علیؑ ابوذر کو رخصت کر کے واپس ہوئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ "عثمان کو تم سے شکایت ہے کہ تم نے ابوذر کی مشایعت کیوں کی۔" شام کو علیؑ مسجد آئے تو عثمان نے کہا کہ "تم نے میرے ملازم کو کیوں واپس کیا۔ کیوں اس سے گستاخی کی۔ اور کیوں اس کو اس کے وظیفہ کی انجام دہی سے روکا۔ کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ ابوذر کو رخصت

حواشی	نمبر شمار	صفحہ
کرنے کے لئے کوئی نہ جائے۔"		
۔کیا ہم اس پر مجبور ہیں کہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں چاہے وہ خلاف حق ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ہرگز ایسے احکام کی تعمیل نہ کریں گے۔		
۔عثمان نے کہا کہ "تم نے اس کے گھوڑے کے کانوں اور سر پر تازیانہ مارا اور اس کو گالیاں دیں بہت اچھا یہ میرا گھوڑا موجود ہے مروان سے کہیں کر وہ بھی اس کے کانوں اور سر پر تازیانہ مار لے۔ اور اگر اس نے مجھے گالی دی تو میں تم کو گالی دونگا اور میں ہرگز غلطی پر نہ ہوں گا۔ کیونکہ میں نے سوائے حق کے کہا ہی نہیں ہے۔"		
"کیوں جب کہ تم نے اس کو گالی دی تو وہ تمہیں کیوں گالی نہ دے۔ کیا تم مروان سے زیادہ مجھے عزیز ہو" قارئین کرام یاد رکھیں کہ عثمان خلیفۃ المسلمین اور جانشین پیغمبر علیؑ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم مروان سے زیادہ مجھے عزیز نہیں ہو۔ درانحالیکہ خود پیغمبر سے سُنا تھا کہ "علی قرآن کے ساتھ ہے" اور اسی پیغمبر کی زبانی مروان کے بارے میں سُنا تھا		

صفحہ	حاشیہ	حواشی
		گھوڑ پھوڑ اور گھوڑ پھوڑ کا بیٹا ملعون اور ملعون کا بیٹا ہے"۔ علیؑ نے غضبناک ہو کر کہا کہ "تم مجھے اس طرح کہتے ہو۔ کیا میں اور مروان دونوں (تمہاری نظروں میں) برابر ہیں۔ خدا کی قسم میں تم سے بہتر ہوں۔ میرا باپ تمہارے باپ سے اور میری ماں تمہاری ماں سے بہتر ہے"۔ یہ سن کر عثمان نہایت غصہ کی حالت میں سر جھکائے ہوئے گھر میں چلے گئے (مروج الذہب جلد ا صفحہ ۴۴۹)
۷۶	۱	عبداللہ ابن مسعود پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ صاحب تنقیح المقال نے ان کو ثقہ کہا ہے (جلد ۲ صفحہ ۲۱۵) اور صاحب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ کہتے ہیں کہ "عبداللہ ابن مسعود جنگ بدر و احد و خندق میں پیغمبر کے ساتھ شریک تھے اور پیغمبر کے بعد جنگ یرموک میں بھی حاضر رہے اور منجملہ ان لوگوں کے ہیں جنھوں نے بیعۃ الرضوان کی۔ جب عمر نے عمار یاسر کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں نے عمار کو امیر اور ابن مسعود کو وزیر بنایا ہے اور یہ دونوں پیغمبر کے نجیب اصحاب سے ہیں" (یہاں نجیب کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی) صاحب تنقیح المقال سید مرتضیٰ کی کتاب امالی سے نقل کرتے ہیں کہ "عبداللہ ابن مسعود ابوذر کے جنازے میں شریک تھے اسی کی پاداش میں عثمان نے

صفحہ	[illegible]	حواشی
		ان کو چالیس کوڑے لگوائے ۔
۷۷	۱	خوش قسمتی سے ابوذر کی کامیابی میں تاخیر نہیں ہوئی ۔ دنیا والوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ محمدؐ ابن عبداللہ لوگوں کو جس اسلام کی طرف بلاتے تھے اور جس کو دنیا و آخرت کی عزت اور آسایش کا ذریعہ بتلایا تھا اسی کو عثمان معاویہ اور بنی امیہ نے اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا اور معاویہ نے تو احکام دین یعنی قرآن اور وحی کو جابرانہ سلطنت کی صورت میں بدلکر لوگوں کو بتلا دیا کہ ظلم اور غلبہ کی حکومت اسی کو کہتے ہیں ۔ لیکن اپنی ذات پر گوناگوں سختیاں برداشت کرکے بھی بزرگ ہستیاں اس کا باعث ہوئیں کہ آج حقیقی اسلام ثابت کرنے کے لئے ہم امیرالمومنین علی علیہ السلام ۔ ابو ذر غفاری ۔ سلمان ۔ اور عمار یاسر جیسی شخصیتوں کو بطور نمونہ کے منکرین کے سامنے پیش کرکے کہتے ہیں کہ پیغمبر نے جو اسلامی مکتب قائم کیا اور جس کے وہ خود مدرس تھے یہی اس مکتب کے منتخب طالب علم ہیں نہ کہ مروان اور معاویہ اور ان کے پیرو ۔ ہاں آج تیرا سو پینتیس (۱۳۳۵) سال کے بعد جب کہ ہم یہ مطالب ظاہر کر رہے ہیں ابوذر مر چکے ۔ لیکن مولف محترم کے آراء اسی طرح کامیاب اور زندہ جاوید رہیں گے ۔

حواشی	نمبر حاشیہ	صفحہ
جن کے لئے انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ "الاسلام یعلوا ولا یعلی"۔		
معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ عثمان کو شام لے جائے جہاں ہر طرح کا اطمینان حاصل ہے۔ اگر وہ شام میں مرگئے تو اہل عراق سے قانونی طور پر مسئلہ نہایت آسانی سے طے کرالیا جائیگا۔ یہ خیال بالکل درست تھا۔ اگر معاویہ کو اس میں کامیابی ہوجاتی تو عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے جنگ جمل و صفین کی نوبت ہی نہ آتی۔	۱	۸۷
نعثل ایک لمبی داڑھی والا مدینہ کا باشندہ یہودی عثمان سے بالکل مشابہ تھا۔ اور ان کے مخالفین اسی نام سے ان کو پکارتے تھے (بعض مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے بھی اسی نام سے مخاطب فرمایا تھا)	۱	۹۲

اشارات

میں نے حواشی کا سلسلہ بالکل جدا کر دیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۴۴) پر حاشیہ کا نشان (علہ) ہے آپ اس کو صفحہ (۱۱۱) کے جدول میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں اسی طرح ہر صفحہ کا حاشیہ اس سلسلہ سے صفحات (۱۱۱) تا (۱۳۱) پر آپ کو ملے گا۔

کتاب کی قیمت | تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمد عہ۔ ابو ذر عہ ہے۔ اور دونوں کتابیں ایک ساتھ خریدیں تو عہ۔ یہ قیمت ہندوستان و پاکستان کیلئے ایک ساں ہوگی۔

ملنے کا پتہ:۔ عبادت خانہ دار الشفاء۔ صبح سے ۱۰ بجے تک۔ عصر کو ۴ بجے سے ۸ بجے تک۔ اور (اعجاز منزل دار الشفاء) سے ہر وقت مل سکتی ہے۔

تشکر و امتنان:۔ جن حضرات نے مالی مدد فرمائی ہے وہ نہیں چاہتے کہ میں ان کے اسمائے گرامی مشتہر کروں البتہ مولانا سید علی محمد صاحب اجلال نے از ابتدا تا انتہا اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر میری ٹوٹی پھوٹی اردو کی جو اصلاح فرمائی ہے میں ان کا بے حد ممنون و متشکر ہوں۔